

## عفو و درگزر کی تلقین

﴿وَأَنْ تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ط﴾ [البقرة: ۲۳۷]

”اور تم درگزر کرو، یہی تقوے کے زیادہ قریب ہے۔“

﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ ۝﴾ [الأعراف: ۱۹۹]

”آپ درگزر کو اختیار کریں، نیک کاموں کی تعلیم دیں اور جاہلوں سے دور ہو جائیں۔“

﴿الَّذِينَ يَنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكُطُوبِ وَالْغَيْظِ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ ط وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۝﴾ [آل عمران: ۱۳۴]

”جو لوگ آسانی میں اور سختی کے موقع پر بھی اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں، غصہ

پینے والے اور درگزر کرنے والے ہیں اللہ تعالیٰ ان نیکوکاروں کو دوست رکھتا ہے۔“

## بدعت محرم

رسول اللہ ﷺ نے ہر بدعت کو گمراہی کہا ہے اور جاننے والے جانتے ہیں کہ بعض بدعتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جن کا کوئی بھی جزو اپنی انفرادی حیثیت میں بذات خود ناجائز اور خلاف شریعت نہیں ہوتا، تاہم وہ بدعتیں ناجائز اور گمراہی ہوتی ہیں، مثلاً نماز اپنے تمام اجزاء سمیت صرف یہی نہیں کہ جائز ہے بلکہ عبادت ہے، لیکن اگر کوئی شخص فرض نمازوں میں اپنی طرف سے چند رکعات کا اضافہ کر دے، مثلاً فجر کی نماز فرض دو کی بجائے چار رکعت پڑھے تو یہ یقیناً بلاشبہ اور بالاتفاق ناجائز اور گمراہی ہے باوجودیکہ اس کے اندر کیا جانے والا کوئی بھی عمل بذات خود ناجائز نہیں ہے۔ اس کے برخلاف بعض بدعتیں ایسی ہوتی ہیں جن کے مختلف اجزاء اپنی ذاتی اور انفرادی حیثیت میں بھی ناجائز اور خلاف شریعت ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسی بدعتیں پہلی قسم کی بدعتوں کے مقابل میں کہیں بڑھ کر گمراہی و ضلالت ہیں۔

اب جو شریعت کے احکام سے واقف ہے وہ جانتا ہے کہ تعزیہ سر سے پاؤں تک اسی قسم کی بدعت ہے، یہ اولاً: حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ”مزار“ کی نقل ہے اور معلوم ہے کہ قبروں پر عمارت کی تعمیر شرعاً قطعی طور پر منع ہے، پس یہ ایک ممنوع اور ناجائز چیز کی نقل ہے، لہذا حکم میں اصل کے مطابق ہے۔ ثانیاً: تعزیہ کو متبرک سمجھ کر احترام و عقیدت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور تبرک کے لیے چھوا اور چوما جاتا ہے۔ یہ حرکت بھی جب اصل قبر کے ساتھ ناجائز ہے تو اس کی نقل کے ساتھ کیونکر جائز ہو سکتی ہے؟ ثالثاً: بیشتر افراد کا یہ عقیدہ ہے کہ ان نمائش قبروں یعنی تعزیوں میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی روح حاضر ہوتی ہے، یہ اسلامی نقطہ نظر سے قطعاً غلط اور گمراہی پر مبنی عقیدہ ہے۔ رابعاً: اس عقیدے کی بنا پر بہت سے افراد ان تعزیوں پر حلوہ، مالیدہ وغیرہ بطور نذر چڑھاتے ہیں اور یہ کام صرف یہی نہیں کہ گمراہی ہے بلکہ شرک بھی ہے۔ خامساً یہ سارا ہنگامہ ایک ”شرعی اور اسلامی تہوار غم و الم، کی حیثیت سے منایا جاتا ہے۔ اور اپنی طرف سے کسی چیز کو اسلامی شعار بنادینا سخت مجرمانہ حرکت ہے۔ سادساً: عاشورہ محرم کو اسلام نے خوشی اور شکر کے دن قرار دے کر اس میں روزہ رکھنے کی ترغیب دی ہے مگر تعزیہ کی رسم کے سبب اس کی مکمل مخالفت کی جاتی ہے اور اسے بھی غم اور حسرت کا دن سمجھا جاتا ہے۔ سابعاً: اس میں سینہ کو بی، نوحہ خوانی اور جسم و جان کی ایذا رسانی کے جو مظاہرے کیے جاتے ہیں کسی کی وفات پر ایسا کرنے کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں بلکہ اس سے سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے اور اس پر سخت وعیدیں آئی ہیں۔ غرض یہ رسم اپنے دامن میں جتنے اجزاء سمیٹے ہوئے ہے سب کے سب غلط، ناجائز، حرام، ممنوع، خلاف شریعت اور عذاب الہی کا ذریعہ ہیں۔ اس لیے یہ حد درجہ سنگین گمراہی ہے مگر یہ کتنی افسوس ناک حقیقت ہے کہ سیدھے سادے کلمہ گو مسلم عوام کو یہ باور کرا دیا گیا ہے کہ یہی عین اسلام ہے اور اس کی سر بلندی عین اسلام کی سر بلندی اور اس کی توہین عین اسلام کی توہین ہے۔ اس یقین دہانی کے بعد تحفظ ناموس اسلام کے نام پر ان بیچاروں کے ”مومنانہ جذبہ غیرت و حمیت“ کو بھڑکا کر اور مرتبہ شہادت اور حصول جنت کی بشارت سنا کر ان خرافات کے لیے ان کو گولیوں کی باڑھ پر کھڑا کر دیا جاتا ہے۔ اور وہ بڑی سعادت مندی کے ساتھ جان جان آفریں کے حوالے کر دیتے ہیں۔

## سعادت

		<b>جواہر پارے</b> ❁	
	عفو و درگزر کی تلقین	<b>کلمہ طیبہ</b> ❁	
	بدعت محرم	<b>اداریہ</b> ❁	
2	(حافظ احمد شاہ)	<b>درس قرآن</b> ❁	
4	(مولانا ارشاد الحق اثری)	<b>تاریخ اسلام</b> ❁	
7	(مولانا مفتی محمد عبید اللہ عقیف)	<b>عقائد و اعمال</b> ❁	
15	(مولانا عبد الرقیب سلفی)	<b>فکر و نظر</b> ❁	
21	(محمد شریف بلخاری)	<b>تذکرہ علمائے اہل حدیث</b> ❁	
27	(مولانا عبد الرزاق السنفی رحمہ اللہ عنایت پوری بہاولپوری (عبد الرحیم اظہر ڈیوی)	<b>مشاہیر نامہ</b> ❁	
30	(عبد المنان نور پوری)	<b>شعر و ادب</b> ❁	
	(شوق اعظمی)		

## سعادت

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو دائماً ہمیشہ بلند..... فاتح..... رہنے کی بشارت دی ہے اس شرط کے ساتھ کہ اگر تم مومن ہو: ”اور (دیکھو) بے دل نہ ہونا اور نہ کسی طرح کا غم کرنا، اگر تم مومن (صادق) ہو تو تم ہی غالب رہو گے۔“ (آل عمران: ۱۳۹)

یہ آیت مبارکہ وطن عزیز کی تازہ ترین صورت حال دیکھ کر یاد آئی۔ خصوصاً ان دانشوروں کے ایسے بیانات پڑھ کر جن میں کوئی کہتا ہے کہ امریکہ سے فوجی تصادم نہ کرنا کہ وہ سپر پاور ہے، کوئی کہتا ہے کہ اگر امریکہ بگڑ گیا تو اس کو قرضے کیسے واپس کریں گے، کوئی کہتا ہے کہ امریکہ سے بنا کر رکھنی چاہیے۔ اس قسم کی بھانت بھانت کی بولیاں سن کر نبی ﷺ کی وہ احادیث یاد آ گئیں۔ جن میں آپ ﷺ نے علامات قیامت بیان فرمائی ہیں۔ ان میں سے ایک حدیث ملاحظہ فرمائیں:

قریب ہے کہ تم پر دنیا کی اقوام ایسے چڑھ آئیں گی (تمہیں کھانے اور ختم کرنے کے لیے) جیسے کھانے والوں کو کھانے کے پیالے پر دعوت دی جاتی ہے۔ ”کسی نے عرض کی: یا رسول اللہ! کیا ہم اس زمانے میں بہت کم ہوں گے؟ فرمایا: ”نہیں، بلکہ تم اس زمانے میں بہت کثرت سے ہو گے لیکن سیلاب کے اوپر چھائے ہوئے خس و خاشاک کی طرح ہو گے۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے دشمن کے سینوں سے تمہاری ہیبت و رعب نکال دے گا اور اللہ تعالیٰ دلوں میں (بزدلی) ڈال دے گا۔“ صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! وہن کیا ہے؟ فرمایا: ”دنیا کی محبت اور موت سے بیزاری۔“ (سنن ابی داؤد)

یہ حدیث مبارکہ وطن عزیز کی موجودہ صورت حال پر کس طرح اور کس قدر صادق آرہی ہے، سیاست اور اخبارات سے دلچسپی رکھنے والا ہر شخص اس کو بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ جنگ بدر سے اگر ہم غور کرنا شروع کریں اور سورہ توبہ کی درج ذیل آیت پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ چونکہ اپنا نور ہدایت مکمل اور دنیا پر غالب کرنے کا فیصلہ فرما چکا تھا اور اس کا اب تک وہی فیصلہ ہے، اس لیے جنگ بدر میں جب صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی کل تعداد تین سو تیرہ تھی اور سامان جنگ بھی محدود جبکہ مقابلے میں کفار کی تعداد تقریباً ایک ہزار تھی جو مسلمانوں کی تعداد کا تین گنا ہے، اور وہ سامان حرب سے لیس بھی تھے تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے سورہ توبہ (آیت نمبر: ۶۵) میں فرمایا:

”اے نبی! مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دو۔ تم میں آدمی ثابت قدم رہنے والے ہو گے تو تم دو سو کافروں پر غالب رہو گے اگر تم سوائے ہو گے تو تم ہزار پر غالب رہو گے، اس لیے کہ کافر ایسے لوگ ہیں کہ کچھ بھی سمجھ نہیں رکھتے۔“

یعنی اللہ تعالیٰ نے جنگ بدر میں مسلمانوں کو دس گنا قوت عطا فرمائی تھی۔ اس آیت سے ہمیں یہ سبق بھی ملتا ہے کہ مسلمانوں کو اگر ایمان نصیب ہو اور ان کی نیت اعلیٰ کلمۃ اللہ کی ہو تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ ان کی نصرت حسب ضرورت یقیناً فرماتا ہے۔ نیز یہ بات بھی سمجھ آئی کہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر ہمیشہ غالب رہتی ہے، اسی لیے فرمایا کہ کافروں کو کچھ سمجھ نہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی تدبیر کو وہ نہیں پاسکتے، چنانچہ جنگ بدر میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایسی فتح نصیب فرمائی جس نے دنیا کا دھارا ہی بدل دیا۔ اس سے اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے دس گنا نصرت کو دو گنا کرنے کی وضاحت فرمادی اور صحیح مسلم شریف کی ایک روایت کے مطابق نبی ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے کافروں کے دلوں میں میرا رعب ایک مہینہ کی مسافت سے ڈال دیا ہے۔“ لیکن اب صورت حال حدیث پاک کے دوسرے ٹکڑے (وہن) کے مطابق ہو چکی ہے کہ مسلمان کثرت کے باوجود سیلاب کے پانی پر تیرے ہوئے خس و خاشاک کی طرح ہو چکے ہیں اور پوری دنیائے کفر مسلمانوں پر پل پڑی ہے۔ کسو، چچینیا، قبرص اور پھر عراق، سوڈان، افغانستان پر شب خون کے بعد دجالی فتنے جمہوریت کے نام پر مراکش، مصر، لیبیا میں فساد فی الارض کے بعد اب طاغوت کا نشانہ پاکستان بایں وجہ بنا ہوا ہے کہ یہ پہلا مسلمان ایٹمی ملک ہے جس کو دنیا نے کفر..... صلیب، یہود، ہنود اور لادین ممالک..... کسی بھی درجہ پر برداشت کرنے کو تیار نہیں۔ ان واقعات کو سامنے رکھ کر ہمیں اپنے یعنی مسلمانوں کے خس و خاشاک ہونے میں کیا شک باقی رہ گیا؟

ان آیات و احادیث کو سامنے رکھیں اور قیامت کی نشانیوں کی مذکورہ حدیث سامنے رکھیں تو اپنے اپنے درجہ میں ہمیں ایمان کی کمزوری کا جائزہ لینا چاہیے۔ اس جہت سے سوچا جائے تو عامۃ المسلمین کا ایمان بہر صورت قوم کی سیاسی لیڈر شپ اور حکمران قیادت سے بایں معنی مضبوط کہا جاسکتا ہے کہ قوم اس مرحلہ میں بھی غیرت ایمانی اور جذبہ قربانی کا ہر سطح پر اظہار کر رہی ہے جو اس کی قدیم روایت بلکہ مسلمانوں کی تاریخ کا روشن باب ہے، جس کا ایک اظہار ایٹمی دھماکہ کرتے وقت بھی ہوا تھا۔ اب وقت کا تقاضا یہ ہے کہ ہرچہ باد باد امریکہ سے جان چھڑالینی چاہیے۔ قوم اب امریکہ سے جان چھڑانے کے لیے ہر قسم کی قربانی دینے کو تیار ہے جبکہ ہمارے لیڈر، خصوصاً حکمران، اپنے آقا کی جہیں پر کوئی شکن دیکھنے کے متحمل نہیں کہ ان کو امداد یا قرض کی فکر پر تہ نہیں کتنی ہے لیکن اس کے نام پر ان کو اپنے ذاتی مفادات غارت ہوتے نظر آ رہے ہیں کہ وہی مفادات تو ان کے حاصل سیاست ہیں۔ اور یہ سیاستدان ان مفادات کو ملکی ضروریات کا نام دے کر ہمیشہ عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکتے رہے۔ حقیقت پسندی اور دیانت داری کی بات یہ ہے کہ اس مادی دور میں بغیر مقصد کے کوئی کسی کی مدد کرتا ہی نہیں۔ امریکہ نے اب تک ہماری جتنی مدد کی ہے اس نے اپنی توقع سے بڑھ کر اس کے ثمرات اور مفادات بھی سمیٹے ہیں۔

ذرائع ابلاغ..... میڈیا..... یعنی مختلف ٹی۔وی چینلز جو عوامی رائے کا دھارا موڑنے یا کم از کم عوام کی رائے کو تبدیل کرنے کا دعویٰ کرتے یا صلاحیت رکھتے ہیں انھیں چاہیے کہ وہ ہر کتب فکر کے علماء کو بلائیں اور ان سے سوال یہ کریں کہ اس وقت وطن عزیز جن حالات سے دوچار ہے ہمارا دین ”جسے ہم سب قیامت تک کے لیے کافی ہونے کا ایمان رکھتے ہیں“ یعنی قرآن و حدیث ان حالات میں ہماری کیا راہنمائی کرتے ہیں۔ ایسے ہی ہماری وزارت مذہبی امور کا فرض ہے کہ وہ قرآن کی ان آیات مبارکہ کو واضح طور پر با ترجمہ حکومت بلکہ حکمرانوں تک پہنچائے جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مبین میں مسلمانوں کو ہدایات فرمائی ہیں، مثلاً سورہ حج کی آیت نمبر: ۴۰ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ”جو کوئی اللہ تعالیٰ (کے دشمنوں سے لڑ کر اس) کی مدد کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ضرور مدد کرتا ہے بے شک اللہ تعالیٰ توانا اور غالب ہے۔“ ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے سورہ مجادلہ کی آیت نمبر: ۲۱ میں فرمایا: ”اللہ کا حکم ناطق..... یعنی ہو کر رہے گا..... ہے کہ میں اور میرے پیغمبر ضرور غالب رہیں گے، بے شک اللہ تعالیٰ زور آور (اور) زبردست ہے۔“ اور سورہ محمد کی آیت نمبر: ۷ میں فرمایا: ”اے اہل ایمان! اگر اللہ کی مدد کرو گے تو وہ بھی تمہاری مدد کرے گا اور تم کو ثابت قدم رکھے گا۔“

ایک معروف سیاسی لیڈر نے کہا کہ امریکا سے جو خفیہ معاہدے ہیں ان کو ظاہر کیا جائے۔ ایسے وعدوں اور معاہدوں کے بارے میں بھی قرآن مجید کے ارشادات واضح ہیں۔ سورہ توبہ کی آیت نمبر: ۱۲ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”اور اگر عہد کرنے کے بعد اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں اور تمہارے دین..... یعنی نماز، واڑھی، تلاوت قرآن..... میں طعنے کرنے لگیں تو ان کفر کے پیشواؤں سے جنگ کرو، ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں، عجب نہیں کہ وہ باز آجائیں۔“

اس سے اگلی آیت نمبر: ۱۳ میں فرمایا: ”کیا تم ایسے لوگوں سے ڈرتے ہو حالانکہ ڈرنے کے لائق تو اللہ تعالیٰ ہے۔“

اصل بات یہ ہے جب تک ہم کافروں کو دوست بناتے اور سمجھتے رہیں گے تب تک کچھ بھی نہ ہو سکے گا۔ دین ہمیں یہ بتاتا ہے کہ کافر کافر ہے جو مسلمان کا (مطلب کے سوا) کبھی دوست نہیں ہو سکتا۔ اسلام جارحیت کا مذہب نہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب حکیم میں مسلمانوں کو کفار سے جنگ کے لیے ہمیشہ تیار رہنے کا حکم دے رکھا ہے۔ دیکھئے سورہ انفال کی آیت نمبر: ۶۰۔ ”اور جہاں تک ہو سکے (فوج کی جمعیت کے ساتھ) زور سے، اور گھوڑوں کے تیار رکھنے سے ان کے (مقابلہ) لیے مستعد رہو۔“ اور سورہ توبہ کی آیت نمبر: ۳۶ میں فرمایا: ”اور تم سب کے سب مشرکوں سے لڑو جیسے وہ سب کے سب تم سے لڑتے ہیں۔“ اور یہی ہے الکفر ملۃ واحدة۔ یہود، ہنود، صلیب، لادین سب ایک ہی جیسے ہیں۔

۶ دسمبر کے اخبارات تک تو حکمرانوں، عسکری قیادت اور عوام کے بیانات بہت جرات مندانہ تھے اس کے بعد بیانات کچھ گول مول اور صلح جو یا نہ بیانات آنے لگے ہیں کہ جن سے حکمرانوں کی میانوی روایات کی جھلک محسوس ہونے لگی ہے۔ اسی ضمن میں ایک بات خادم اعلیٰ پنجاب کی خدمت میں یہ بھی عرض کر دی جائے کہ اب ۱۸ اتریم کے سبب صوبوں کو اپنا اپنا نصاب تعلیم ترتیب دینے کا اختیار مل گیا ہے تو وہ سورہ انفال اور سورہ توبہ کی ایسی آیات کو اخروی نجات کی نیت سے نصاب میں دوبارہ شامل کرنے کی سعادت حاصل کر لیں جن آیات کو نامشرف حکومت نے آقا کی تعمیل ارشاد میں نصاب سے خارج کر دیا تھا۔

# تفسیر سورہ فاطر

مولانا ارشاد الحق اثری رحمۃ اللہ علیہ

شہروں پر، جانوروں اور درختوں پر بھی ہوتا ہے۔ حجرِ اسود جو دودھ سے زیادہ سفید تھا، اس کا بھی اولاد آدم کی خطاؤں سے سیاہ ہونا ایک بین حقیقت ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”كاد الجعل أن يعذب في حجره بذنب ابن

آدم، ثم قرأ: ﴿وَلَوْلَا يُؤْخَذُ اللَّهُ النَّاسُ...﴾

إلخ.“ (ابن کثیر: ۷۴۲/۳)

”قريب ہے اولاد آدم کے گناہ کی وجہ سے کیڑے کو اس کی بل میں عذاب دیا جائے، پھر اس کی تائید میں انھوں نے یہی آیت ﴿وَلَوْلَا يُؤْخَذُ اللَّهُ...﴾ تلاوت فرمائی۔“  
قرآن مجید میں فرعون اور اس کے حواریوں کی بربادی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

﴿فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ وَمَا كَانُوا

مُنْظَرِينَ﴾ [الدخان: ۲۹]

”پھر نہ ان پر آسمان وزمین روئے اور نہ وہ مہلت پانے والے ہوئے۔“

صحابہ کرام اور تابعین عظام کے آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ جب نیک آدمی فوت ہو جائے تو جس زمین کے حصے پر وہ نماز پڑھتا رہا وہ حصہ اس کے فراق میں روتا ہے۔ اور آسمان کے جس دروازے سے اس کے نیک اعمال اوپر اٹھائے جاتے ہیں وہ دروازہ بھی روتا ہے اور چالیس دن تک روتا رہتا ہے۔ آل فرعون کا کوئی عمل صالح نہیں تھا، اس لیے نہ ان پر زمین کوئی ٹکڑا رویا، نہ ہی آسمان رویا۔ فسق و فجور کی بنا پر ہی فرمایا گیا ہے:

﴿مَا تَرَكَ عَلَى ظَهْرهَا مِنْ دَابَّةٍ﴾ مواخذہ ہو تو ان کے جرم کی پاداش میں انسان تو انسان کوئی جاندار بھی زمین کی پشت پر چلنے والا نہ بچے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر عذاب کے نتیجے میں تمام جانور بھی ہلاک ہو گئے تھے اور صرف وہی بچ پائے تھے جو حضرت نوح علیہ السلام کے ہمراہ کشتی پر تھے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانوں کے گناہوں کا اثر جانوروں حتیٰ کہ درختوں پر بھی ہوتا ہے۔  
حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

إن رسول الله صلى الله عليه وسلم مرّ عليه

بجنازة فقال: ((مُسْتَرِيحٌ أَوْ مُسْتَرَحٌ مِنْهُ . ))

قالوا: يا رسول الله! ما المستريح والمستراح

منه؟ قال: ((العبد المؤمن يستريح من نصب

الدنيا وأذاها إلى رحمة الله عز وجل، والعبد

الفاجر يستريح منه العباد والبلاد والشجر

والدواب . )) (بخاري: ۶۵۱۲، مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے ایک جنازہ گزرا، آپ نے فرمایا: ”آرام پانے والا ہے یا آرام دینے والا ہے“، صحابہ

کرام نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! آرام پانے والا یا

آرام دینے والا، اس کے کیا معنی ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”ایماندار بندہ تو مرکز دنیا کی تکالیف سے اور مصیبتوں سے

نجات پا کر اللہ کی رحمت میں آرام پاتا ہے۔ اور بدکار

بندے کے مرنے سے دوسرے بندے اور ملک اور درخت

اور چوپائے جانور آرام پاتے ہیں۔“

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر اور فاسق و فاجر کے فسق و فجور کا اثر

زمین پر معاصی کا نتیجہ ہے کہ بھلوں اور دانوں میں نقص واقع ہوا ہے۔ حافظ ابن کثیر وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ مسند امام احمد میں ہے کہ ”زیاد“ کے دور میں ایک تھیلی ملی جس میں گندم کا ایک دانہ کھجور کی گٹھلی کے برابر تھا اور اس پر لکھا ہوا تھا:

”هذا نبت في زمان كان يعمل فيه بالعدل.“

”یہ اس زمانے میں پیدا ہوا جب عدل پروری تھی۔“

اسی طرح آخر زمانہ میں جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے اور ہر سو عدل و انصاف کا بول بالا ہوگا اور کفر و شرک کا خاتمہ ہو جائے گا تو ایک انار کو ایک جماعت کھائے گی، اس کے چھلکے سے لوگ سایہ حاصل کریں گے اور ایک بکری کا دودھ ایک جماعت کے لیے کافی ہوگا۔ (ابن کثیر: ۳/۵۷۷)

اس لیے فسق و فجور بے برکتی اور عذاب کا باعث ہے جبکہ ایمان اور عمل صالح برکت و رحمت کا سبب ہے۔ اور فسق و فجور کا اثر زمین و آسمان حتیٰ کہ درختوں اور حیوانوں پر بھی ہوتا ہے۔ بعض سلف سے منقول ہے:

”إني لأعصى الله، فأعرف ذلك في خلق

امراتي ودابتي.“ (الدواء، ص: ۷۴، ۱۲۹)

”میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہوں تو اسے اپنی بیوی اور اپنی سواری کے طور اطوار سے پہچان لیتا ہوں۔“ (یعنی وہ بھی میری نافرمانی پر اتر آتے ہیں۔)

امام مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”إن البهائم تلعن عصاة بني آدم إذا اشدت

السنة وأمسك المطر وتقول: هذا بشؤم

معصية الله.“ (الداء، ص: ۸۱)

”جانور اولاد آدم کے نافرمانوں پر لعنت کرتے ہیں۔ جب

قسط سالی ہوتی ہے اور بارش نہیں برستی، وہ کہتے ہیں: یہ

نحوست اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے ہے۔“

انسان کی بدبختی کا یہ اثر خشک سالی کی صورت میں ہو، زلزلہ یا

﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي

النَّاسِ لِيَذِقَهُمْ بَعْضُ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ

يَرْجِعُونَ﴾ [الروم: ۴۱]

”خفگی اور سمندر میں فساد ظاہر ہو گیا ہے اس کی وجہ سے جو

لوگوں کے ہاتھوں نے کمایا تاکہ وہ انہیں اس کا کچھ مزہ

چکھائے جو انہوں نے کیا، تاکہ وہ باز آجائیں۔“

یعنی نافرمانیوں کے نتیجے میں عذاب کا ”کچھ حصہ“ چکھائیں گے،

اسی کو دوسرے مقام پر یوں بیان فرمایا ہے:

﴿وَلَنَذِيقَنَّهُمْ مِنَ الْعَذَابِ الْأَذْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ

الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾ [السجدة: ۲۱]

”اور یقیناً ہم انہیں قریب ترین عذاب کا کچھ حصہ سب سے

بڑے عذاب سے پہلے ضرور چکھائیں گے، تاکہ وہ پلٹ

آئیں۔“

اس کا ایک مفہوم یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ”تاکہ انہیں ان کے

بعض اعمال کا مزہ چکھائے“ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”ولو أذاقنا كل أعمالنا لما ظهرها من دابة.“

”اگر ہمارے تمام اعمال کا مزہ چکھائے تو زمین پر کوئی جاندار

نہ رہے۔“ (الداء والدواء، ص: ۹۲)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ

وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ﴾ [الشورى: ۳۰]

”اور جو بھی تمہیں کوئی مصیبت پہنچی تو وہ اس کی وجہ سے ہے

جو تمہارے ہاتھوں نے کمایا اور بہت سی چیزوں سے درگزر

کر جاتا ہے۔“

لہذا جو بھی مصیبت آتی ہے اور جس پریشانی سے انسان دوچار

ہوتا ہے وہ اس کے گناہوں کا نتیجہ ہے۔ بہت سے گناہوں سے اللہ

تعالیٰ اپنی مہربانی سے نظر عفو فرماتے ہیں۔ اگر تمام گناہوں پر مواخذہ

کریں تو انسان کیا کوئی جاندار بھی زمین پر باقی نہ رہے۔



﴿وَلَكِنْ يُوْخِرُهُمْ﴾ اس تاخیر سے مراد موت بھی ہے اور قیامت بھی اور ہر امت کی ”اجل مسمیٰ“ بھی مراد ہے، جیسے فرمایا:

﴿لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ إِذَا جَاءَ أَجْلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ﴾ [یونس: ۴۹]

”ہر امت کے لیے ایک وقت ہے، جب ان کا وقت آپہنچتا ہے تو وہ نہ ایک گھڑی پیچھے رہتے ہیں اور نہ آگے بڑھتے ہیں۔“

مشرکین کی یہ اجل یوم بدر تھی۔ (الرازی)

جس میں ان کے ستر سردار قتل ہوئے اور ستر قیدی بنے، یوں اس ”یوم فرقان“ میں کفر کی کمر ٹوٹ گئی اور ان کا غرور خاک میں مل گیا۔

﴿فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِعِبَادِهِ بَصِيرًا﴾ یہ جو انھیں مہلت دی جا رہی ہے تو یہ اس لیے نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ان کی کرتوتوں کا علم نہیں بلکہ اللہ اپنے بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے۔ سب اللہ تعالیٰ کی نگاہوں میں ہیں کہ کون کیا کر رہا ہے:

﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُونَ إِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيهِ الْأَبْصَارُ﴾ [ابراہیم: ۴۲]

”اور تو اللہ کو ہرگز غافل گمان نہ کر جو ظالم لوگ کر رہے ہیں، وہ تو انھیں صرف اس دن کے لیے مہلت دے رہا ہے جس میں آنکھیں کھلی رہ جائیں گی۔“

اس لیے جب وقت آئے گا تو ہر ایک کو اس کے عمل کا پورا پورا بدلہ ملے گا۔ اس میں مومنوں کے لیے تسلی بھی ہے اور منکرین کے لیے تخویف بھی کہ ایماندار کو اس کے ایمان و عمل کی جزا ملے گی اور منکر کو اس کے کفر و فسق کی سزا ملے گی ہے۔

الحمد لله الذي بنعمته تتم الصالحات .  
سبحانك اللهم وبحمدك أشد أن لا إله إلا  
أنت أستغفرك وأتوب إليك رب اغفر لي  
ولو الادي وللمؤمنين يوم يقوم الحساب .



سیلاب کی صورت میں ہو، اس سے جانور بھی متاثر ہوتے ہیں اور مر جاتے ہیں اور گندم کے ساتھ گھن بھی پس جاتا ہے۔

یہاں یہ سوال ہو سکتا ہے کہ مکذبین پر عذاب تو ان کے جرائم کی پاداش میں ہے مگر باقی انسانوں اور حیوانوں کو عذاب میں دھر لینا چہ معنی دارد؟ اس کے بارے میں امام رازی وغیرہ نے فرمایا ہے کہ جانوروں کو اور دیگر اشیاء کو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے نفع اور فائدے کے لیے بنایا ہے۔ جب شرک و کفر کا وبال تمام انسانوں کو اپنی پلیٹ میں لے لیتا ہے تو جانوروں کو باقی رکھنے کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا۔ رہے وہ انسان جو اس جرم میں شریک تو نہیں ہوتے مگر امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے فریضے کی ادائیگی میں کوتاہی کرتے ہیں تو وہ بھی اپنے اس جرم کی پاداش میں عذاب میں مبتلا ہو جاتے ہیں جیسے ہفتہ کے روز کی حرمت کو پامال کرنے والوں کے ساتھ وہ بھی شریک عذاب ہوئے تھے جنھوں نے اس نافرمانی سے روکا نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً﴾ [الأنفال: ۲۵]

”اور اس فتنے سے بچو جو لازماً ان لوگوں کو خاص طور پر نہیں پہنچے گا جنھوں نے تم میں سے ظلم کیا۔“

ایسے ہی موقع پر نافرمانوں کے ساتھ نیک بھی دھر لیے جاتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِذَا أَرَادَ اللَّهُ بِقَوْمٍ عَذَابًا أَصَابَ الْعَذَابُ مَنْ كَانَ فِيهِمْ، ثُمَّ بَعَثُوا عَلَى أَعْمَالِهِمْ.))

(مسلم: ۷۲۳۴)

”جب اللہ کسی قوم کے بارے میں عذاب کا ارادہ کرتے ہیں تو سب کو عذاب میں مبتلا کر دیتے ہیں، پھر انھیں قیامت کے روز ان کے اعمال کے مطابق اٹھایا جائے گا۔“  
اور اعمال کے مطابق انھیں جزا و سزا دی جائے گی۔



## کربلا کی کہانی اہل بیت کی زبانی

مولانا مفتی محمد عبید اللہ عقیف (بانی مسجد امۃ العزیز اہل حدیث، رحمت ٹاؤن، فیصل آباد)

خدمت میں لکھ کر ان کو یہاں بلا لو۔ شیعوں نے کہا: جب حضرت اس شہر کوفہ کو اپنے نور قدم سے منور کریں گے تو ہم سب بقدم اخلاص ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے بیعت کریں گے۔“ (جلاء العیون: ۲/۱۸۸)

اس اقتباس سے یہ حقیقت بالکل ظاہر ہے کہ اہل کوفہ نہ صرف حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے شیعہ اور طرف دار تھے بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھی شیعہ تھے اور انھی مکار و غدار بارہ ہزار شیعوں نے خطوط ارسال کر کے جناب حسین مظلوم رضی اللہ عنہ کو کوفہ میں آنے پر مجبور کیا۔ ملا باقر لکھتے ہیں:

”یہاں تک کہ چھ سو خطوط ان مکاروں اور غداروں کے امام حسین رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے۔ اور جب مبالغہ و اصرار از حد ان کا ہوا اور متعدد قاصد حضرت کے پاس جمع ہو گئے اور بارہ ہزار خطوط کوفہ سے آ گئے۔“ (جلاء العیون: ۲/۱۹۰)

وأصحاب الیمین از جارا صاحب: (۱۵۱)

شیعیان علی و حسین کا آخری خط جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تھا، اس کا مضمون حسب ذیل ہے:

”یہ نامہ سلیمان بن سرد وغیرہ از جمیع شیعیان و مؤمنین و مسلمین اہل کوفہ کی جانب سے بخدمت امام حسین بن علی بن ابی طالب ہے..... واضح ہو کہ اس وقت ہمارا کوئی امام و پیشوا نہیں، پس آپ ہماری طرف توجہ کیجیے اور ہمارے شہر (کوفہ) میں قدم رنجہ فرمائیے۔ ہم سب آپ کے مطیع ہیں شاید حق تعالیٰ حق کو آپ کی برکت سے ہم پر ظاہر کرے۔ اور نعمان بن بشیر حاکم کوفہ نہایت ذلیل و خوار دار الامارۃ

نالہ بلبل شیدا تو سنا ہنس ہنس کر  
اب جگر تھام کے بیٹھو مری باری آئی

(سوال): قاتلان حسین کون تھے؟ ۲۔ واپسی کا پروگرام بنا تھا؟ ۳۔ کیا بیعت پر آمادہ ہو گئے تھے؟ ۴۔ کیا بلانے والے شیعیان کوفہ ہی تھے۔ ۵۔ ان میں کوئی اور بھی تھا؟ بلانے والے شیعہ ہی قاتل ہیں؟ قاتل حسین سے اقبال جرم بھی ثابت ہے؟

ان تمام سوالات کے جوابات اہل تشیع کی کتب معتبرہ کی روشنی میں مطلوب ہیں۔ امید ہے کہ جواب سے مستفید فرمائیں گے۔ بینوا بالدلیل توجروا عند الرب الجلیل۔ (سعید احمد حنیف سلفی، جامع مسجد اہل حدیث، جھنگ شہر)

(جواب): قاتلان حسین خود شیعیان حسین رضی اللہ عنہ تھے اور اس تلخ حقیقت کا خود شیعہ مورخین کو بھی اعتراف ہے، چنانچہ ملا باقر مجلسی ایسا دریدہ دہن اور سبی شیعہ تسلیم کرتا ہے کہ جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ کے گورنر کے ہاتھ پر یزید کی بیعت سے انکار کر کے مکہ مکرمہ تشریف فرما ہوئے اور شیعیان کوفہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس موقع پر ملا باقر لکھتے ہیں:

”جب یہ خبریں اہل کوفہ کو پہنچیں تو شیعیان کوفہ سلیمان بن سرد خزاعی کے گھر میں جمع ہوئے۔ دربارہ فوت معاویہ و بیعت یزید پر گفتگو کی۔ سلیمان نے کہا جبکہ معاویہ مر گیا اور حسین رضی اللہ عنہ بیعت سے انکار کر کے مدینہ منورہ سے چلے گئے ہیں اور تم ان کے شیعہ ہو اور ان کے پدر بزرگوار کے شیعہ ہو۔ اگر جانتے ہو کہ ان کی نصرت کر سکو گے اور بجان و مال ان کی نصرت میں کوشش کر سکو گے تو ایک عریضہ ان کی

میں بیٹھا ہے اور ہم جمعہ کو اور عیدین میں نماز پڑھنے وہاں نہیں جاتے۔“

اس خط کے مضمون سے واضح ہے کہ اہل کوفہ داعیانِ حسین رضی اللہ عنہ ایسے غالی اور کٹر شیعہ تھے کہ وہ غیر شیعہ کی اقتدا میں نماز پڑھنا جائز نہیں سمجھتے تھے جیسا کہ آج کے شیعہ کا بھی یہی عقیدہ اور عمل ہے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ ان کے آخری خط کا جو جواب لکھا تھا اس کے مضمون سے بھی بلانے والوں کے شیعہ ہونے کی بقلم حسین رضی اللہ عنہ تصریح موجود ہے۔ ملا باقر لکھتے ہیں کہ حضرت نے ان کے آخری خط کا جواب لکھا:

”بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ خط حسین بن علی رضی اللہ عنہما کا شیعہ مومنوں مسلمانوں اہل کوفہ کی طرف۔“

(جلاء العیون: ۱۹۰/۲)

حضرت حسین نے شیعہ اور اپنے اعیان کے اخلاص اور شہر کوفہ کی صورت حال کا مزید اطمینان کرنے کے لیے اپنے چچیرے بھائی مسلم بن عقیل کو کوفہ روانہ کیا جب وہ وہاں پہنچے تو اٹھارہ ہزار کوفیوں نے ان کے ہاتھ پر حضرت حسین کی بیعت کر لی۔ ملا باقر مجلسی تصریح فرماتے ہیں:

”یہاں تک کہ اٹھارہ ہزار کوفی بیعت سے مشرف ہوئے ہیں۔ اگر آپ رضی اللہ عنہ یہاں تشریف لائیں تو مناسب ہے۔“

(جلاء العیون: ۱۹۳/۲)

جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ اپنے شیعوں کے بارہ ہزار خطوط اور پھر مسلم بن عقیل کی وساطت سے اٹھارہ ہزار شیعوں کی بیعت کی خوشخبری پڑھ کر ان کے بلاوے پر کوفہ کی طرف چل پڑے تو پھر آپ رضی اللہ عنہ کے ان شیعہ مومنین نے اپنی فطری غداری اور مکاری کی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو شرمناک سلوک کیا وہ بھی شیعہ کتابوں میں موجود ہے۔

مقام ثعلبہ پر مکہ واپسی کا ارادہ:

رہا واپس لوٹ جانے کا سوال تو اس کا جواب یہ ہے:

”جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ سے روانہ ہو کر مقام

ثعلبہ پر تشریف لائے تو آپ کو حضرت مسلم کی دردناک شہادت کی اطلاع ملی تو عبداللہ سنان وغیرہ مخلصین نے اہل کوفہ کی روایتی بے وفائی یاد دلایا کہ ہمارا التماس ہے کہ آپ واپس تشریف لے جائیں۔“

”امام حسین رضی اللہ عنہ متوجہ اولادِ عقیل ہوئے (یعنی واپس جانے کا مشورہ کیا) تو اولادِ عقیل نے کہا: بخدا سو گندم ہم واپس نہ جائیں گے جب تک ان اشقیاء (شیعہ کوفہ) سے عوض حضرت مسلم کا نہ لیں یا جو شربت انھوں نے نوش کیا ہم بھی نوش کریں۔“ (جلاء العیون: ۲۱۳/۲، ۲۱۴)

ملا باقر مجلسی کے اس بیان کے بعد مزید کسی حوالے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی، تاہم بے علم واعظین کی اصلاح کے لیے اور دھوکہ باز ذاکرین پر حجت قائم کرنے کے لیے ان کی معتبر کتابوں سے مزید پانچ حوالے سپرد قلم کیے جاتے ہیں:

① کتاب عمدة الطالب کا شیعہ مصنف لکھتا ہے:

”واتصل به خبر قتل مسلم بن عقیل في الطريق فإذا أراد الرجوع فامتنع بنو عقیل من ذلك.“ (خلافت معاویہ ویزید: ۱۹۱)

”حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو مسلم بن عقیل کے قتل ہو جانے کی خبر ملی تو انھوں نے واپس مدینہ پلٹ جانے کا ارادہ کر لیا مگر اولادِ عقیل مانع ہوئی۔“

② ابوالفرج اصفہانی غالی شیعہ اپنی کتاب مقاتل الطالبین میں واپسی کے ارادے کو تسلیم کرتے ہوئے لکھا ہے:

”فقال له (للحسين) بنو عقیل: لا نرجع والله أبداً أو ندرک ثارنا أو نقتل باجمعنا.“

(مقاتل الطالبین: ۷۳)

”فرزندِ عقیل نے ان سے (حسین) سے کہا کہ واللہ! ہم ہرگز واپس نہ جائیں گے یا تو اپنا انتقام لیں گے یا ہم سب اپنی جان دے ڈالیں گے۔“

عقیل کی ناپختہ کاری اور بچگانہ ضدی وجہ سے ان کی تالیف قلبی کے پیش نظر از راہ مرّوت وجوانمردی کوفہ کی طرف چل پڑے۔ جب آپ ﷺ کا یہ مختصر قافلہ مقام اشرف پر پہنچا تو حرّ بن یزید ریاحی ایک ہزار سواروں کے ہمراہ آپ کا راستہ روکنے کے لیے آپ کے قریب پہنچ گیا۔ آپ ﷺ کے رفقاء اور دشمن کے لشکر نے ظہر اور عصر کی نمازیں آپ (حسین ﷺ) کی اقتدا میں ادا کیں۔ جب دونوں لشکروں کی امامت سے فارغ ہوئے تو کوفیوں کے بدلے ہوئے تیور دیکھ کر آپ ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا جس میں مدینہ کی طرف لوٹ جانے کا کھلے الفاظ میں ذکر ہے، آپ ﷺ کے وہ الفاظ یہ ہیں:

”أيهما الناس! إني لم أُنكم حتى أتنني كتبكم، وإن كنتم كارهين لمقدمي انصرف عنكم.“

(خلاصة المصائب: ۵۶ و جلاء العيون: ۲/۲۱۵)

”اے لوگو! میں تمھاری طرف نہیں آیا مگر جبکہ متواتر تمھارے خطوط اور تمھارے قاصد پیا پے میرے پاس پہنچے اور اب اگر اپنے گفتار سے پھر گئے ہو اور عہد و پیمان کو شکستہ کر دیا ہے اور میرے آنے سے بیزار ہو تو میں جہاں سے آیا ہوں وہاں پھر جاؤں یعنی میں اپنے وطن واپس جاتا ہوں۔“

واپس چل پڑے:

جب ان مکاران و غداران بے وفا نے کچھ جواب نہ دیا تو آپ ﷺ نے حرّ کے سامنے دو بوریاں پیش کیں جو خطوط کوفیان بے وفا سے بھری ہوئی تھیں۔ حرّ نے کہا: مجھے ان خطوط کی اطلاع نہیں۔ بعد اس کے آپ ﷺ نے اصحاب کو حکم دیا سوار ہوں۔ جب ہودج ہائے حرم محترم اونٹوں پر بندھ گئے، حضرت پائے مبارک رکاب میں رکھ کر سوار ہوئے۔ جب چاہا واپس جائیں، لشکر مخالف نے راستہ روک لیا اور مانع ہوئے۔ (جلاء العيون: ۲/۲۱۶)

تیسری دفعہ پھر واپسی کا فیصلہ:

ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں:

”جب (حضرت حسین ﷺ) کو کر بلا میں قیام فرمائے دوسرا

۳) مشہور شیعہ مورخ مرزا محمد تقی کتاب ناخ التواريخ میں لکھتا ہے:

”حسین بجانب فرزندان عقیل نگران شد و فرمود: مسلم را کشتند اکنون راء چیست؟ گفتند لا والله چند کہ تو انیم در طلب خون او بکشیم یا ازاں شربت کہ او نوشید بنوشیم۔ آنحضرت فرمود: از پس ایشان تن آسانی زندگانی نیست۔“

(خلافت معاویہ و یزید: ۱۹۱)

”حضرت حسین نے فرزندان عقیل کی طرف جھانک کر کہا کہ مسلم کو قتل کر دیا گیا ہے۔ اب رائے کیا ہے؟ انھوں نے جواب میں کہا: واللہ! ہم سے جو کچھ بن پڑے گا ہم ان کے خون کا بدلہ لینے کی کوشش کریں گے یا پھر وہی شربت ہم بھی نوش کر لیں گے جو انھوں نے کیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ان کے بعد ہماری زندگانی کس کام کی۔“

۴) حضرت حسین ﷺ نے مسلم کی شہادت پر گفتگو کرتے ہوئے اولاد عقیل کو یہ بھی بتا دیا تھا کہ ہم جن لوگوں کے متواتر بلاوے اور اصرار پر کوفہ کی طرف جا رہے ہیں انھی لوگوں نے مسلم کو قتل کر کے ہمیں ذلیل کر کے رکھ دیا ہے، چنانچہ شیعہ کی مشہور کتاب خلاصۃ المصائب میں ہے:

”خذلنا شیعتنا.“

(خلاصۃ المصائب، عربی اردو: ۵۶)

”ہمارے شیعہ نے ہم کو چھوڑ دیا ہے۔“

۵) علامہ لوط بن یحییٰ ابو محنف لکھتا ہے: مسلم بن عقیل اور ہانی بن عروہ کے قتل کی اطلاع پر کر آپ ﷺ نے ساتھیوں سے فرمایا: مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ مسلم بن عقیل اور ہانی بن عروہ کو قتل کیا جا چکا ہے اور ہمارے شیعوں نے ہمیں چھوڑ دیا ہے۔ (مقتل أبي محنف: ۸۸)

دوسری دفعہ واپسی کا ارادہ:

آپ ﷺ اسی مقام سے واپس لوٹ جانا چاہتے تھے مگر فرزندان

لائے تھے۔ ہماری اس رائے کی مزید تائید حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اس قول فیصل سے بھی ہوتی ہے جو آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک مخلص زرارہ بن صالح کے جواب میں فرمایا۔ ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں:

”جب زرارہ بن صالح نے عرض کیا کہ مردم کوفہ کے دل آپ رضی اللہ عنہ کی طرف اور تلواریں بنی اُمیہ کی طرف تو امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر آرزوئے شہادت و شوق ملاقات حضرت رسالت ﷺ و رضا بہ قضاء احدیت کا ارادہ نہ ہوتا تو بے شک ہمراہ ان (اس وقت آسمان کے دروازے کھول کر اس قدر افواج ملائکہ آسمان سے نیچے آچکی تھیں کہ ان کی تعداد بغیر خدا کے دوسرا نہیں جانتا) لشکروں کے اعداء و کفار

سے جہاد کرتا۔“ (جلاء العیون: ۲/۲۰۶، ۲۰۷)

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ کن بیان سے روز روشن کی طرح ثابت ہوا کہ شیعہ ذاکرین کے اس دعوے میں قطعاً کوئی صداقت نہیں، ورنہ آپ رضی اللہ عنہ کی دینی غیرت اور خاندانی شجاعت کا کیا بنے گا، لہذا شیعہ ذاکرین یاد رکھیں۔

ستم در پردہ کرتے ہو بظاہر پیار کرتے ہو  
حقیقت میں غلط الفت کا تم اقرار کرتے ہو

یزید کی بیعت کا فیصلہ:

مذکورہ بالا شیعہ مورخین کی تصریحات سے ثابت ہوا کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اپنے موقف سے رجوع فرما چکے تھے اور واپس لوٹ جانا چاہتے تھے مگر اللہ کو مظلومانہ شہادت ہی مطلوب تھی۔ کان ما شاء اللہ و ما لم یشاء لم یکن۔

سرکاری افواج کے کمانڈر عمر بن سعد کے ساتھ جنبانی شروع ہوا اور کوئی ملاقاتیں بھی ہوئیں۔ مگر جب آپ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ یہ ملاقاتیں کوئی رنگ نہیں لا رہیں اور پانی سر سے گزرتا جا رہا ہے تو آپ رضی اللہ عنہ نے آخری چارہ کار کے طور پر عمر بن سعد سے فرمایا کہ میری باتوں (شرطوں) میں سے کوئی ایک قبول کر لو اور وہ یہ ہیں:

دن ہوا، عمر بن سعد مع چار ہزار منافقین داخل کر بلا ہوا اور مقابل لشکر حضرت حسین رضی اللہ عنہ اتر ا اور عروہ بن قیس کو بلا کے چاہا بطور قاصد امام حسین رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجے، مگر چونکہ وہ نامرد ان میں سے تھا جنہوں نے خطوط امام حسین رضی اللہ عنہ کو لکھے تھے، اس نے قاصد گری ہی قبول نہ کی۔ اور جس رئیس و امیر لشکر سے کہتا تھا کوئی قبول نہ کرتا تھا جنہوں نے خطوط لکھے اور حضرت کو عراق بلایا تھا..... عمر بن سعد نے قرہ بن قیس کو امام حسین رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا اور اس نے حضرت کو پیغام پہنچایا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمہارے شہر کے لوگوں نے نامہائے بے شمار مجھے لکھے اور بہت مبالغہ و اصرار کر کے مجھے بلایا۔ اگر میرا آنا منظور نہیں تو مجھے واپس جانے دو۔“

(جلاء العیون: ۲۲۰، ۲۲۱)

سفر برائے جہاد تھا:

شیعہ کتب کی ان تصریحات سے روز روشن کی طرح یہ ثابت ہوا کہ بارہ ہزار خطوط بھیج کر بلانے والے پچیس ہزار کوفیوں کی بے وفائی کے پیش نظر حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے حالات کی نزاکت کا اندازہ لگا کر نہ صرف مدینہ منورہ کی طرف لوٹ جانے کا پروگرام بنالیا تھا بلکہ آپ رضی اللہ عنہ واپس چل بھی پڑے مگر حر بن یزید نے آپ رضی اللہ عنہ کا راستہ روک لیا۔ یہاں جذبات کی رو میں نہ بے بغیر دل و دماغ کی قوتوں کو یکجا کر کے ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں کہ جب آپ رضی اللہ عنہ نے حالات کی سنگینی کا پورا پورا جائزہ لے کر واپسی کا ارادہ فرمایا تو کہاں وہ گیا ”نانا“ کے دین کی حفاظت اور فریضہ جہاد کا بلند بانگ دعویٰ؟ بقول شیعہ جس عظیم مقصد کے لیے سفر کی سینکڑوں صعوبتیں جھیل کر کر بلا کے خونی میدان میں فروکش ہوئے تھے کیا وہ مقصد حاصل ہو چکا تھا؟ اگر حاصل نہیں ہوا اور یقیناً نہیں ہوا تو لامحالہ یہ تلخ حقیقت تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ اس مقصد کے لیے تشریف ہی نہ

یدہ کما فی الإرشاد .“ (الإرشاد: ۲۲۸، ۲۲۹)  
۳: شیعة عالم شریف مرتضیٰ علم الہدیٰ تسلیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:  
”أو أن اضع يدي على يد يزيد ابن عمي ليري  
في رائي .“ (تنزيه الأنبياء والأئمة، ص: ۱۷۷ وقول  
مفتوح، ص: ۴۱)  
۴: الامامة والسياسة کا مصنف لکھتا ہے:

”قال الحسين: يا عمر! اختر مني ثلاث  
خصال، إما أن تتركني أرجع كما جئت، فإن  
أبين هذه فأخرى، تسيرني إلى الترك أفانلهم  
حتى أموت، أو تسيرني إلى يزيد فاضع يدي  
في يده فيحكم في بما يريد .“

(الامامة والسياسة: ۵/۲)

”میرے بارے میں تین باتوں میں سے کوئی ایک پسند  
کر لیجیے، یا مجھے اپنے حال پر چھوڑ دیجیے، جیسے آیا ہوں ویسے  
ہی لوٹ جاتا ہوں۔ اگر آپ کو میری یہ بات پسند نہیں تو  
دوسری بات یہ ہے کہ مجھے ترکوں کے مقابلے میں بھیج دیجیے،  
میں ان سے جہاد کرتا ہوں تاکہ مجھے موت آجائے یا پھر  
مجھے یزید کے پاس چلا جانے دیں تاکہ میں اپنا ہاتھ اس کے  
ہاتھ پر رکھ دوں، پھر وہ میرے لیے جو چاہے فیصلہ کرے۔“  
۵: مزید برآں شیخ عباس قسبی کی منقحی الامال (۳۳۵/۲، سطر: ۱۵)،  
۶: خلاصۃ المصاب: ”اذھب بنا عند يزيد ليصنع ما يريد .“  
۷: اور سرگزشت حسین از محمد بشیر اختر (ص: ۷۶، ۹۰) ملاحظہ فرمائیں۔  
اگرچہ خلاصۃ المصاب وغیرہ بعض کتابوں میں یزید کی بیعت یعنی  
”أصنع يدي في يد يزيد أو في يده“ کے الفاظ صریحاً موجود  
نہیں تاہم ان تمام کتابوں میں یزید کے پاس جانے کی خواہش  
بہر حال موجود ہے۔

ان شیعة و سنی مورخین کی تصریحات سے ثابت ہوا کہ حضرت  
حسین رضی اللہ عنہ واپس جانا چاہتے تھے مگر ابن زیاد اور ان کے ایجنٹوں اور

۱: یا تو مجھے اس جگہ لوٹ جانے دو جہاں سے میں آیا ہوں۔  
۲: یا مجھے یزید کے پاس جانے دو، میں اپنا ہاتھ یزید کے ہاتھ پر  
رکھ دوں۔  
۳: یا پھر مجھے کسی اسلامی سرحد کی طرف بھیج دو۔ میں وہاں رہائش  
اختیار کر لوں گا، پھر جو مراعات ان لوگوں کو حاصل ہوں گی میں  
انہیں پر اکتفا کروں گا اور جو ذمہ داریاں ان کی ہوں گی میں بھی  
ان کا پابند رہوں گا۔

ترتیب اور الفاظ کی معمولی سی تبدیلی کے ساتھ یہ روایت تو اتر کی  
حد تک فریقین کی کتب معتبرہ میں موجود ہے۔ حوالے کے لیے سنی  
کتائیں یہ ہیں: ① تاریخ الامم والملوک ابن جریر طبری: ۳۹۲/۵،  
۴۱۳، ۴۱۴ ② البدایہ والنہایہ ابن کثیر: ۸/۷۰، ۲۰۳ ③ تاریخ  
الخلفاء لسیوطی: ۱۳۸ ④ تاریخ اکبر شاہ: ۲/۷۲ ⑤ نبراس لعبدالعزیز  
فرہاروی، ص: ۵۴۱ ⑥ شرح عقائد ⑦ ماثبت بالنسۃ لعبدالحق محدث  
دہلوی، ص: ۳۵ ⑧ راس الحسین لشیخ الاسلام ابن تیمیہ، ص: ۲۰۔  
⑨ تاریخ دمشق ابن عساکر: ۴/۳۳۱۔

ریکارڈ درست فرمائیں:

شیعة ذاکرین پر حجت قائم کرنے کے لیے ان کی معتبر اور مستند  
کتابوں کی نصوص پیش کر رہا ہوں تاکہ وہ اپنا ریکارڈ درست فرمائیں ع  
بگوش ہوش سنو ہم سنا دیتے ہیں  
جو کچھ حجاب ہے وہ بھی اٹھائے دیتے ہیں  
۱: مشہور شیعة مورخ ابوالفرج اصفہانی ارقام فرماتے ہیں:

فوجه (الحسين) الى عمر بن سعد، فقال:  
ماذا تريدون مني؟ إني مخيركم ثلاثاً، بين أن  
تتركوني الحق بيزيد، أو أرجع من حيث  
جئت، أو أمضي إلى بعض ثغور المسلمين  
فأقيم فيها .“ (مقاتل الطالبين: ۷۵)

۲: مشہور شیعة عالم محمد بن نعمان شیخ مفید تصریح فرماتے ہیں:

”أو أن يأتي أمير المؤمنين يزيد فيضع يده في

گماشتوں نے نہ صرف آپ ﷺ کی ان تین مفید تجاویز میں سے کوئی ایک تجویز یا شرط قبول نہ کی بلکہ غضب الہی کے ایسے خواہاں و متلاشی ہوئے کہ امام مظلوم کے مقابلے کی ٹھان بیٹھے۔  
مظلومانہ شہادت:

بالآخر انھی بلانے والوں بداندیش طوطا چشم اور مکار شیعیان کوفہ کے ہاتھوں حضرت حسین ﷺ جام شہادت نوش فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ کربلا کے ریگ زار، نواسہ رسول، جگر گوشہ فاطمہ بتول، سید شباب اہل البیت اور اہل بیت کے گل سرسبد حسین بن علی ﷺ و دیگر رفقاء با وفا کی مظلومانہ شہادت کی تفصیل ”عیان راچہ بیان“ کی مصداق ہے، اس لیے اس دردناک اور روح فرسا داستان الم کی مزید تفصیل کی ضرورت ہے اور نہ مجھ جیسے اناڑی قلمقار کے قلم میں اس کو رقم کرنے کی ہمت۔ مختصر یہ کہ ان ظالم اور سفاک کوفیوں کا یہ بہیمانہ اقدام ان کے لیے خسر الدنیا و الآخرة کا موجب اور حکومت وقت کے جن افسروں کے حکم پر یہ خون ریزی ہوئی ان کے ہاتھوں پر ایسا شرمناک کلنک ہے جس کی سیاہی ابھی تک دھل نہیں سکی۔ اس سانحہ فاجعہ پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے مگر بحکم رسول اللہ ﷺ ((لا نقول إلا ما یرضی ربنا أو لبس))۔

آہ! اے گلچیں کیا تجھ سے نادانی ہوئی  
پھول وہ توڑا جس سے چمن میں ویرانی ہوئی

قاتلانِ حسین کی خانہ تلاشی:

کیا بلانے والے شیعیان کوفہ ہی تھے؟ گو مذکورہ حوالہ جات سے ثابت ہو چکا ہے کہ حضرت حسین کو بلانے والے اہل کوفہ تھے تاہم جاہل سنی واعظین کی اصلاح اور اہل تشیع کی مزید تسکین کے لیے مزید حوالہ جات حاضر ہیں:

۱: خط بنام حضرت حسین ﷺ: جب اہل کوفہ کو حضرت حسین ﷺ کے مکہ مکرمہ میں ورود مسعود کی خبر ملی تو انھوں نے آپ ﷺ کو کوفہ تشریف لے آنے کی دعوت دیتے ہوئے جو پہلا خط لکھا تھا اس کی ابتدا یوں ہوتی ہے:

”بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ نامہ سلیمان بن سرد خزاعی، مسیب بن خنہ، رفاعہ بن شداد بکلی و حبیب بن مظاہر از جمع شیعیان و مؤمنین و مسلمین کی جانب سے بخدمت امام حسین بن علی۔“

(جللاء العیون: ۸۸/۲ سرگزشت حسین، ص: ۵۹)

۲: دوسرا خط: ”بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ عریضہ شیعوں اور فدویوں مخصوص کی طرف سے بخدمت امام حسین بن علی۔“

(جللاء العیون، ص: ۱۸۹)

۳: حضرت مسلم کا خط: حضرت مسلم نے ستائیس روز قبل شہادت کے ایک خط امام حسین ﷺ کو لکھا اور اس میں اظہار اطاعت و انقیاد اہل کوفہ درج کیا تھا۔ (جللاء العیون، ص: ۲۱۱)

۴: ایک لاکھ تلوار کی یقین دہانی: منہج الاقران کا مؤلف رقمطراز ہے: ”مسلم بن عقیل کہ در کوفہ رفت ابتدائی امرا اجتماع مردم را مشاہدہ نمود عریضہ بخدمت آنحضرت نوشت و نیز اہل کوفہ عریضہ نوشتہ بودند کہ صد ہزار شمشیر از برائے تصرف نومہیا است۔“

”جب مسلم بن عقیل کوفہ وارد ہوئے اور شروع میں بیعت کے لیے لوگوں کی بھیڑ دیکھی تو حضرت ﷺ کی خدمت میں ایک خط ارسال کیا، اور اہل کوفہ نے بھی ایک عریضہ لکھا کہ یہاں سو ہزار (ایک لاکھ) تلواریں آپ ﷺ کی نصرت کے لیے مہیا ہیں، بہت جلد آپ شیعوں تک پہنچ جائیے۔“

(منہج الاخران، ص: ۵۵ و جللاء العیون، ص: ۲۱۱)

۵: المختصر یہ کہ شیعیان کوفہ نے حضرت کے پاس معتبر شیعہ مؤرخ مرزا محمد تقی اور ملا باقر مجلسی کے مطابق بارہ ہزار خطوط بھیجے۔ مرزا تقی علی لکھتے ہیں:

”بدیں گو نہ مکاتیب متواتر کردند چنداں کہ دوازده ہزار نامہ حضرت حسین از بزرگان کوفہ حاضر گشت۔“

(ناسخ التواریخ: ۱۳۱/۶ و جللاء العیون، ص: ۱۹۰)



بن مسہر کو بجانب کوفہ روانہ کیا اور ہنوز خبر شہادت مسلم نہ پہنچی تھی، ایک نامہ اس مضمون کا اہل کوفہ کو لکھا:

”بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

یہ خط حسین بن علی کی طرف سے برادران مومن مسلم کو ہے۔ تم پر سلام الہی ہو۔ امام بعد! بدرستیکہ خط مسلم بن عقیل کا میرے پاس پہنچا۔ اس خط میں لکھا تھا کہ تم لوگوں نے میری نصرت اور دشمنوں سے میرا حق طلب کرنے پر اتفاق کیا ہے۔ میں خدا سے سوال کرتا ہوں کہ وہ اپنا احسان مجھ پر تمام کر دے اور تم کو تمہارے حسن نیت و کردار پر بہترین جزائے خیر عطا فرمائے۔ بدرستیکہ میں آٹھویں ذی الحجہ روز سہ شنبہ کو مکہ سے باہر آیا اور تمہاری جانب آتا ہوں۔ جب میرا قاصد تم تک پہنچے، لازم ہے کہ متابعت مضبوط باندھو اور اسباب کارزار آمادہ رکھو اور میری نصرت کے لیے مہیا ہو۔ اب میں بہت جلد تم تک پہنچتا ہوں۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حسین ابن علی۔“ (جلاء العیون: ۲/۲۱۱)

اسی ہزار لکھی ہے اور کہا ہے کہ وہ سب کوئی تھے۔ ان میں نہ کوئی حجازی تھا اور نہ کوئی شامی۔

۳۔ مشہور شیعہ مورخ علامہ مسعودی لکھتے ہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے کربلا کا عزم کیا۔ لڑائی ہوتی رہی یہاں تک کہ قتل ہوئے اور ان کو کوفیوں نے قتل کیا۔ شامی ان میں نہ تھے اور جو شامیوں کا ذکر کیا جاتا ہے یہ ان کی سکونت سابق کی وجہ سے ہے۔ جو کچھ اہل بیت کے حق میں ہوا وہ کوفیوں نے کیا۔ (فتاویٰ حسین، ص: ۵۴)

۴۔ خلاصۃ المصاب میں ہے:

”لیس فیہم شامی ولا حجازی“ بل جمیعہم من اهل الکوفۃ۔

”کوئی ان اشقیاء میں شامی تھا نہ حجازی بلکہ اہل کوفہ تھے۔“

اکثر وہی بے حیا تھے جنہوں نے نامہ ہائے پر دعا جناب

”اسی طرح متواتر خطوط بھیجے گئے کہ بارہ ہزار خطوط بزرگان کوفہ کی طرف سے حضرت حسین کی خدمت میں آ گئے۔“

حضرت کا جوابی خط:

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے ان شیعوں کے بارہ ہزار خطوط کے جواب میں جو نامہ مبارک ارسال فرمایا تھا اس میں بھی آپ رضی اللہ عنہ نے اہل کوفہ کو شیعہ ظاہر فرمایا ہے۔ اس نامہ مبارک کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں:

”بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ خط حسین بن علی کا شیعوں، مومنوں، مسلمانوں اہل کوفہ کی طرف ہے۔ اما بعد! بہت سے قاصدوں اور خطوط کے آنے کے بعد جو تم نے خط ہانی کے ہاتھ بھیجا تھا، پہنچا تھا۔ سب تمہارے خطوط میرے پاس پہنچے۔ تم نے سب خطوط میں میرے پاس لکھا ہے کہ ہمارا کوئی امام نہیں ہے، بہت جلد آپ ہمارے پاس تشریف لائے۔ میں بالفعل تمہارے پاس پسر غم مسلم بن عقیل کو بھیجتا ہوں۔ اگر مسلم مجھے لکھیں گے جو کچھ تم نے خطوط میں لکھا ہے، مشورہ عقداء و دانایان و شرافت و بزرگان قوم لکھا ہے۔ اس وقت میں بہت جلد تمہارے پاس آ جاؤں۔“

(جلاء العیون: ۲/۱۹۰)

مرزا تقی علی نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا جو جوابی خط نقل کیا ہے اس کی ابتدا اس طرح ہے:

”ایں نامہ ایست از حسین بن علی بہ سوئے سلیمان بن صرد خزاعی و المسیب بن نجبہ و رفاعہ بن شداد و عبداللہ بن وال و جماعت مومنین۔“ (ناسخ التواریخ: ۲/)

حضرت کے اس جواب کا کوفیوں کے خطوط کے ساتھ موازنہ فرمائیے، نام اور مضمون بالکل ایک ہے۔

حضرت کا دوسرا خط:

جب آپ رضی اللہ عنہ مکہ سے جانب کوفہ روانہ ہو کر منزل قادسیہ میں بمقام لطن رملہ پہنچے عبداللہ بن بقطر برادر رضاعی اور بروایت دیگر قیس



الاصل خلاف اصل محتاج بدلیل است اگرچہ ابوحنیفہ کوئی باشد۔“ (مجلس المؤمنین، مجلس اول، ص: ۲۵)

”اہل کوفہ کے شیعہ ہونے پر دلیل فراہم کرنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ ان کا سنی ہونا خلاف اصل اور دلیل کا محتاج ہے اگرچہ ابوحنیفہ ہی کیوں نہ ہوں۔“ (قاتلان حسین، ص: ۳۹)

بلانے والے شیعہ ہی قاتل ہیں؟

اب رہا یہ سوال کہ آپ ﷺ کو انھی شیعان کوفہ نے قتل کیا جنہوں نے آپ ﷺ کو بلایا تھا۔ تو جواباً گزارش ہے کہ حضرت حسین، زین العابدین، سیدہ زینب بنت علی، سیدہ ام کلثوم بنت علی سیدہ فاطمہ بنت حسین اور دیگر رفقاء با وفا ﷺ کے بیانات کے مطابق یہی بلانے والے ہی قاتل قرار پاتے ہیں۔

لاؤ تو قتل نامہ ذرا میں بھی دیکھ لوں

کس کس کی مہر ہے سر محضر لگی ہوئی

(جاری ہے)

9 دسمبر 2011ء کا

خطبہ جمعۃ المبارک



مرکزی جامع مسجد المبارک  
اہل حدیث حافظ آباد شہر

بمقام

انتظامیہ مسجد ہذا

حسین ﷺ کو لکھے تھے یا حضرت! جلد آئیے، فوج کثیر آپ ﷺ کی مدد کو موجود ہے۔

۵۔ ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں:

”عمر بن سعد نے عروہ بن قیس احمسی کو بلانا چاہا بطور قاصدی امام حسین کے پاس بھیجے مگر چونکہ وہ نامردان میں سے تھا جنہوں نے خطوط امام حسین ﷺ کو لکھے تھے۔ اس نے قاصدی قبول نہ کی۔ اور جس رئیس و امیر لشکر کو کہتا تھا کوئی قبول نہ کرتا تھا، اس لیے ان میں سے اکثر وہی تھے جنہوں نے خطوط لکھے اور حضرت ﷺ کو عراق بلایا۔“ (جلاء العیون: ۲/۲۲۰)

۶۔ عمارہ بن عقبہ، عمر بن سعد اور عبداللہ بن مسلم بن ربیعہ الحضرمی نے یزید امیر شام کو حضرت مسلم کے آنے اور کوفیوں کی ان سے بیعت کرنے کی خبر دی۔ اور لکھا کہ اگر تجھ کو عراق کی حاجت ہے تو نعمان بن بشیر ﷺ کو معزول کر کے کسی قوی شخص کو معین کر کے تیرے کہنے پر چلے۔ حالانکہ یہ لوگ بنو امیہ نہ تھے کہ (وہی) مخصوص بغض و عداوت اہل بیت سمجھے جائیں، اس لیے کہ مرتکب جنگ و قتل امام حسین ﷺ خاص ہوئے ہیں اور شامی شامل نہ تھے۔ تلخیص مرقع کر بلا۔ (قاتلان حسین از عبداللہ بن مرزا پوری، ص: ۵۳)

مذکورہ بالا تحقیق سے ثابت ہوا کہ حضرت ﷺ کو دعوت دینے والے اور کوفہ بلانے والے خالص کوفی ہی تھے۔ ان میں نہ کوئی حجازی تھا اور نہ شامی، لہذا سنیوں کو الزام دینے والے پہلے گھر کی باتیں تو کھنگال لیں پھر الزام دیں ع

ہنوز طفلی واز نوش و نیش بے خبری

تواز حسن ماچہ تواز حسن خویش بے خبری

تھے بھی شیعہ:

جس طرح ان بلانے والوں میں کوئی شامی تھا نہ حجازی بلکہ سب کوفی تھے، اسی طرح وہ سب ہی شیعہ۔ ان میں ایک آدمی بھی سنی نہیں تھا۔ علامہ قاضی نور اللہ شوستری شہید ثالث تصریح فرماتے ہیں: ”تشیع اہل کوفہ حاجت باقامت دلیل ندارد و سنی بودن کوئی

## توحید عبادت مسلمانوں کا امتیازی نشان

مولانا عبدالرقيب سلفی

پر قادر نہیں ہے۔ اس توحید پر ایمان لانے کے باوجود کوئی آدمی دائرہ اسلام کے اندر داخل نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کے ساتھ ساتھ توحید عبادت و الوہیت پر ایمان نہ لائے اور اس کے تقاضے کے مطابق عمل درآمد نہ کرے۔ اور یہی وجہ ہے کہ مشرکین عرب توحید ربوبیت پر ایمان و اعتقاد کے باوجود دائرہ اسلام سے خارج ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کے ساتھ خالص کافر و مشرک کا معاملہ کیا گیا۔ مشرکین عرب توحید ربوبیت کے قائل تھے۔ اس کی شہادت وافر تعداد میں قرآن میں موجود ہے اور جاہلی دور کے شعراء کے کلام میں بھی اس کی شہادت موجود ہے۔ قال اللہ تعالیٰ:

﴿قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَ الْأَرْضِ أَمَّنْ يَبْلِكُ السَّمْعَ وَ الْأَبْصَارَ وَ مَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ يُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَ مَنْ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ﴾ [یونس: ۳۱]

”اے نبی! آپ ان مشرکین سے پوچھیے کہ کون تم لوگوں کو آسمان و زمین سے روزی دیتا ہے، کون آنکھ اور کان کا مالک ہے، کون مردہ سے زندہ اور زندہ سے مردہ کو نکالتا ہے، کون معاملے کی تدبیر کرتا ہے، تو یہ لوگ جواب دیں گے کہ اللہ، پھر آپ ان سے کہیے: تب کیوں تم لوگ اُس سے نہیں ڈرتے ہو؟“

وقال اللہ تعالیٰ:

﴿وَلَيْنَ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ فَأَنَّى

توحید کا لغوی معنی ایک ماننا ہے۔ شریعت کی اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کو اُس کی ذات، صفات، افعال، اعمال، ملکیت اور استحقاق عبادت و ریاضت کے اندر ایک تسلیم کرنے کا نام توحید ہے۔

علماء توحید نے عام طور پر توحید کی درج ذیل تین قسمیں بیان کی ہیں: ۱۔ توحید ربوبیت ۲۔ توحید اسماء و صفات ۳۔ توحید عبادت شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد رشید علامہ ابن قیم رحمہما نے توحید کی درج ذیل دو قسمیں قرار دی ہیں:

۱۔ توحید معرفت و اثبات ۲۔ توحید طلب و قصد توحید کی دو یا تین قسم ہونے سے اصل مقصود پر کوئی فرق نہیں پڑتا، اس لیے کہ توحید کی نیچے کی دونوں قسمیں اوپر کی تینوں قسموں کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہیں کیونکہ توحید معرفت و اثبات کا ہی اطلاق توحید ربوبیت اور توحید اسماء و صفات پر ہوتا ہے۔ اور توحید فی القصد و الطلب کا دوسرا نام توحید عبادت ہے۔

توحید ربوبیت:

یہ اس بات کے اقرار و اعتراف پر مشتمل ہے کہ کائنات کی ہر چیز کا خالق، مالک اور رازق اللہ ہے۔ موت و حیات اسی کے ہاتھ میں ہے۔ نفع و نقصان اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ پریشان حال کی پریشانی وہی دور کرتا ہے۔ مضطر کی دعائیں وہی سنتا اور قبول کرتا ہے۔ تمام امور کی تدبیر اسی کے ہاتھ میں ہے اور وہی بلاشبہ بلا شرکت غیرے دنیا کے تمام حوادث و وقائع کو حدوث و وقوع بخشتا ہے۔ ہر چیز اسی کے تابع فرمان ہے اور اسی کا حکم کائنات کے ذرے ذرے کے اندر جاری ہے۔ تمام بھلائیاں اسی کے ہاتھ میں ہیں، کوئی دوسرا اس

يُؤَفِّكُونَ ﴿٨٧﴾ [الزخرف: ۸۷]

”اگر آپ ان لوگوں سے پوچھیں گے کہ کس نے ان کو پیدا کیا ہے تو جواب دیں گے: اللہ نے۔“  
وقال اللہ تعالیٰ:

﴿وَلَيِّنْ سَأَلَتَهُمْ مَنْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْيَا بِهِ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لِيَقُولُنَّ اللَّهُ﴾ [العنكبوت: ۶۳]  
”اگر آپ ان سے پوچھیں گے کہ کون آسمان سے پانی برساتا ہے اور زمین کو مردہ ہونے کے بعد زندگی کی توانائی بخشتا ہے تو وہ لوگ ضرور جواب دیں گے کہ اللہ۔“  
وقال اللہ تعالیٰ:

﴿أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ ط إِنَّ إِلَهَ مَعِ اللَّهِ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ﴾ [النمل: ۶۲]

”کون مضطر پریشان حال کی دعا قبول کرتا ہے؟ مصیبت دور کرتا ہے اور تمہیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ بات ایسی نہیں ہے مگر تم لوگ سمجھ نہیں رہے ہو۔“

مشرکین عرب کو یہ باتیں اچھی طرح معلوم تھیں کہ ان ساری چیزوں پر ملکیت صرف اور صرف اللہ کی ہے۔ کوئی دوسری ہستی عالم وجود میں ایسی نہیں جو ان کاموں کو انجام دے سکے اور اس پر ان کا ایمان و عقیدہ بھی تھا مگر وہ مسلمان نہیں تھے، بلکہ مشرک تھے جس کی کیفیت کو خود اللہ تعالیٰ نے سورہ یوسف کے اندر ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

﴿وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ﴾

[یوسف: ۱۰۶]

”ان کی اکثریت اللہ کی ذات پر ایمان کے باوجود مشرک ہے۔“

مجاہد رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے ان کے ایمان کا

مطلب یہ بتایا ہے کہ وہ لوگ اس بات کے قائل تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم لوگوں کو پیدا کیا ہے، وہی روزی دیتا ہے، وہی مردہ کرتا ہے۔ اور اس ایمان کے ساتھ ساتھ وہ اللہ کی عبادت میں دوسروں کو شریک کرتے تھے۔

توحید ربوبیت کے اقرار کے ساتھ وہ عبادت کی کچھ مخصوص قسمیں جیسے حج، صدقہ، ذبح، نذر، دعا بوقت اضطرار وغیرہ اللہ کے لیے مخصوص مانتے تھے اور امکانی حد تک اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتے تھے، جس کی وجہ سے وہ دین ابراہیمی پر ہونے کے دعوے دار تھے۔ اس کی تردید قرآن نے اس آیت میں کی ہے:

﴿مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾

[آل عمران: ۶۷]

”ابراہیم نہ یہودی تھے، نہ نصرانی، نہ مشرک بلکہ وہ موحد مسلمان تھے۔“

ان مشرکین عرب میں کچھ لوگ حشر و نشر اور یومِ حساب کے قائل تھے اور تقدیر پر ان کا ایمان تھا، جیسا کہ زہیر نے کہا ہے۔  
يؤخر فيوضع في كتاب فيدخر  
ليوم الحساب أو يعجل فينقم  
”اگر وہ تاخیر سے کام لے گا تو کتاب میں لکھ کر حساب کے دن کے لیے جمع کر دے گا، یا جلدی کرے گا تو سزا دے گا۔“  
غزہ نے کہا ہے:

يا عبل! أين من المتيه مهرب

إن كان ربي في السماء قضاها

”اے عبل! اگر میرا رب آسمان پر موت کا فیصلہ کر چکا ہے تو

پھر موت سے جائے فرار کہاں ہے؟“

اس کی مزید مثالیں جاہلی دور کے شعراء کے کلام میں موجود ہیں جو اللہ کے وجود کے ثبوت اور اس پر ان کے عقیدے کی گواہ ہیں۔ اس

الحقیقت وہ اس کے بھی منکر نہیں تھے۔ اس دعوے کی دلیل ان کے جاہلی دور کے وہ اشعار ہیں جن میں رحمن کا لفظ موجود ہے، مثلاً ان کا ایک جاہلی شاعر کہتا ہے ع

ما يشأ الرحمن يعقدو يطلق  
یعنی جو رحمن چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور ہوگا۔  
زہیر نے کہا ہے ۔

فلا تكتمن الله ما في نفوسكم  
ليخفى ومهما يكتنم الله يعلم  
یعنی تم لوگ اپنا حال دل اللہ سے اس غرض سے مت چھپاؤ  
کہ وہ چھپ جائے گا بلکہ جب بھی تم چھپاؤ گے اللہ اسے  
جان لے گا۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ابھی اسی سبب کے پیش نظر ان لوگوں کے اس انکار کو کفر کے اندر حد سے بڑھی ہوئی سرکشی اور عناد و تمرد قرار دیا ہے۔

الغرض توحید اسماء و صفات کے باب میں ان لوگوں سے صرف رحمن کا انکار ثابت ہے۔ اگر وہ اس کے علاوہ کسی اور صفت یا تمام صفات کے منکر ہوتے تو وہ بھی منقول ہوتا۔ اور اس طرح ان لوگوں نے توحید عبادت کی تردید نبی ﷺ پر کی، اس کی بھی کرتے مگر اس طرح کی کوئی بات ان سے منقول نہیں ہے۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اس کے معترف تھے اور اللہ کی ذات اور اس کے اسماء و صفات پر ایمان رکھتے تھے۔ برخلاف اس کے توحید الوہیت کا انکار کرتے تھے جسے قرآن نے بھی نقل کیا ہے۔ قال تعالیٰ:

﴿إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ عَجِيبٌ﴾ [هود: ۷۲]

”یہ تو بڑی عجیب بات ہے کہ اس نے سارے معبودوں کو چھوڑ کر ایک ہی معبود بنالیا۔“

توحید عبادت:

اس کی بنیاد محبت، الفت، خوف، خشیت، اللہ پر توکل، انابت و رغبت کے ساتھ خالص اللہ کی عبادت اور اس کے ذکر و فکر پر ہے۔

کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کا خون بہانا، عورتوں کو لونڈی بنانا، بچوں کو گرفتار کرنا اور ان کے اموال و املاک پر دست تصرف دراز کرنا جائز قرار دیا ہے۔ یہ ایک لمحہ فکریہ ہے جو دنیا کے ہر صاحب عقل و ہوش انسان سے غور و فکر کا مطالبہ کرتا ہے۔ جس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں تھی کہ وہ لوگ توحید عبادت کے اندر جو ”لا إله إلا الله“ کا مطلوب ہے، شرک کرتے تھے۔

توحید اسماء و صفات:

اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء حسنیٰ اور صفات علیا پر ایمان رکھا جائے جو قرآن و حدیث کے اندر مذکور ہیں۔ جیسے اللہ علیم، قدیر، جی، قیوم، رحمن، رحیم، حکیم، سمیع، ملک، قدوس، سلام، مؤمن، مہمّن، عزیز، جبار، متکبر، عرش پر مستوی اور ملک کو محیط ہے۔ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ نہ اس کو نیند آتی ہے، نہ اونگھ۔ اس کے ہاتھ پاؤں ہیں مگر ہمارے جیسے نہیں ہیں۔ اس کی خبر کے مطابق اس کی حالت معلوم ہے، کیفیت مجہول ہے۔ اور ان تمام اسماء و صفات کے اندر اور ان کے علاوہ جو دوسری صفتیں قرآن و حدیث کے اندر موجود ہیں، ان میں کسی طرح کی تاویل، تحریف، تعطیل، تشبیہ اور الحاد حرام ہے۔ یہی سلف کا مسلک ہے۔

کسی آدمی کے مسلمان ہونے کے لیے یہ توحید کافی نہیں ہے۔ بلکہ اس کے لازم یعنی توحید عبادت کی بجا آوری بھی ضروری ہے۔ کفار عرب عام طور سے اس کے معترف تھے اگرچہ کچھ لوگوں سے بعض صفات کا انکار بھی منقول ہے، مثلاً یہ لوگ کہا کرتے تھے:

”لا نعرف الرحمن إلا رحمن الیمامة۔“

”ہم لوگ یمامہ کے رحمن کے علاوہ کسی اور رحمن کو نہیں جانتے۔“  
اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ان کے اس انکار کی تصدیق کی ہے اور فرمایا ہے:

﴿وَهُمْ يَكْفُرُونَ بِالرَّحْمَنِ﴾ [الرعد: ۳۰]

”یہ لوگ رحمن کا انکار کرتے ہیں۔“

اس انکار کی بنیاد محض جہالت، حماقت اور بغض و عناد تھی، ورنہ فی

”اس زندہ ہستی پر اعتماد کرو جو مردہ نہیں ہوگا، اسی کی حمد و تسبیح پڑھو اور اس کو کافی ہے کہ وہ اپنے بندے کے کالے کرتوت سے باخبر ہے۔“  
وقال تعالیٰ:

﴿وَأَعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ﴾ [الحجر: ۹۹]  
”موت آنے تک اپنے رب کی عبادت کرو۔“

یہ اور اس طرح کی بے شمار آیتیں اس بات کی شاہد ہیں کہ تمام عبادتیں اللہ کے لیے مخصوص ہیں اور اس میں کسی دوسرے کا کوئی حق نہیں ہے۔

یہ توحید عبادت دین اسلام کا اوّل و آخر، ظاہر و باطن، رسولوں کی دعوت کا بنیادی نقطہ، مرکزی محور اور لا الہ الا اللہ کا مطلوب و مقصود ہے کیونکہ اللہ وہی ہے جس کی عبادت محبت، خشیت اور تعظیم و تکریم کے ساتھ کی جاتی ہے۔ اور ہر قسم کی عبادت کا سزاوار وہی ہے۔ اسی توحید پر عمل کرنے کے لیے مخلوقات کی تخلیق ہوئی، رسولوں کی بعثت ہوئی، کتابیں نازل ہوئیں۔ دنیائے انسانیت دو حصوں میں بٹ کر مؤمن و کافر کے نام سے موسوم ہوئی۔ نیک بخت جنتی اور بد بخت جہنمی ہوئے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ [البقرة: ۲۱]  
”اے لوگو! اللہ کی عبادت کرو جس نے تم کو اور تم سے پہلے کے لوگوں کو پیدا کیا تاکہ تم متقی بن جاؤ۔“  
یہ قرآن کا پہلا حکم ہے۔

قال تعالیٰ:

﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَقَالَ يَتَّقُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنَ اللَّهِ غَيْرُكَ﴾ [المؤمنون: ۲۳]  
”ہم نے نوح کو ان کی قوم کے پاس رسول بنا کر بھیجا تو انھوں نے لوگوں سے کہا کہ اللہ کی عبادت کرو، اس کے علاوہ تمھارا کوئی معبود نہیں ہے۔“

بلفظ دیگر تمام عبادتیں صرف اللہ وحدہ لا شریک کے لیے مخصوص ہیں، ان میں کسی دوسرے کا کوئی حق نہیں ہے، خواہ وہ کوئی مقرب فرشتہ ہو یا نبی مرسل اور اللہ تعالیٰ کے درج ذیل فرامین اسی توحید پر مشتمل ہیں:

﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ [الفاتحة: ۴]

”ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔“

﴿فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ﴾ [ہود: ۱۲۳]

”اسی کی عبادت کرو، اسی پر بھروسہ رکھو اور تمھارا رب تمھارے اعمال و افعال سے بے خبر نہیں ہے۔“

﴿فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ﴾ [التوبة: ۱۲۹]

”اگر وہ لوگ اعراض کرتے ہیں تو آپ کہہ دیجیے کہ مجھے اللہ کافی ہے۔ نہیں ہے کوئی معبود مگر وہی۔ اسی پر میں بھروسہ کرتا ہوں اور وہ عرش عظیم کا مالک ہے۔“

اور اللہ نے فرمایا:

﴿رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهِ هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا﴾ [مریم: ۶۵]

”آسمان و زمین اور ان دونوں کے درمیان کی چیزوں کا مالک ہے، اس لیے اسی کی عبادت کرو اور اس کی بندگی پر صبر کرو، کیا تم کو اُس کی کوئی نظیر معلوم ہے۔“

وقال تعالیٰ:

﴿عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ﴾ [ہود: ۸۸]

”میں اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔“

وقال تعالیٰ:

﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهِ وَكَفَىٰ بِهِ بِذُنُوبِ عِبَادِهِ خَبِيرًا﴾ [الفرقان: ۵۸]

یہ دنیا میں شرک کے ظہور کے بعد سب سے پہلے رسول کی دعوت ہے۔

ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا:

﴿اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ﴾ [ہود: ۶۱]

”اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔“

شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا:

﴿اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ﴾ [الأعراف: ۸۵]

”اللہ کی عبادت کرو، اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔“

ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

﴿إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ [الأنعام: ۷۹]

”میں نے موحد بن کر اپنی توجہ کا مرکز اُس ذات کو بنایا ہے جس نے آسمان و زمین کی تخلیق کی ہے، اور میں مشرک نہیں ہوں۔“

وقال تعالیٰ:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ﴾ [الأنبياء: ۲۵]

”ہم نے آپ سے قبل کسی رسول کو نہیں بھیجا مگر ہم نے اس کے پاس وحی بھیجی کہ نہیں ہے کوئی معبود مگر میں، اس لیے میری ہی عبادت کرو۔“

وقال تعالیٰ:

﴿وَاسْأَلْ مَنْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُسُلِنَا أَجَعَلْنَا مِنْ دُونِ الرَّحْمَنِ آلِهَةً يُعْبَدُونَ﴾ [الزحرف: ۴۵]

”اے نبی! آپ ان لوگوں سے پوچھیے جن کے پاس ہم نے آپ سے پہلے رسولوں کو بھیجا، کیا ہم نے جن کے علاوہ بہت سارے معبود ان کے لیے بنائے جن کی وہ عبادت کریں۔“

وقال تعالیٰ:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾

[الذاریات: ۵۶]

”میں نے جن و انس کو نہیں پیدا کیا مگر اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں۔“

نبی کریم ﷺ کے بارے میں جب قیصر روم ہرقل نے ابوسفیان سے یہ سوال کیا کہ وہ تم لوگوں سے کیا کہتے ہیں؟ تو اس کا جواب ابوسفیان نے دیا کہ وہ کہتے ہیں:

”اللہ کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک مت کرو اور تمہارے باپ دادا جو کہتے ہیں اسے چھوڑ دو۔“

نبی کریم ﷺ نے جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو ایک قوم کے پاس داعی بنا کر بھیجا تو ان کو وصیت کی تم اہل کتاب کے پاس جا رہے ہو اور تمہاری دعوت کی ابتدا لا الہ الا اللہ کی شہادت سے ہونی چاہیے۔ اور ایک روایت میں ہے:

((أَنْ يُوْحِدُوا اللَّهَ .))

”لوگ اللہ کو ایک مانیں۔“

یہی توحید مکلف بندے کا سب سے پہلا فرض ہے۔ اس میں فکر و تردد اور شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں جیسا کہ ان لوگوں کا خیال ہے جو بعثت انبیاء کے مقصد اور حقیقت سے بے خبر ہیں۔ یہ پہلا اور آخری واجب ہے اور سب سے پہلی بات ہے جس کے ذریعے انسان اسلام میں داخل ہوتا ہے، اور آخری متاع سفر ہے جس کے ساتھ وہ اس دنیائے فانی سے عالم جاودانی کی طرف کوچ کرتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

((مَنْ كَانَ آخِرَ كَلَامِهِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ دَخَلَ

الجنة .))

”جس کی آخری بات لا الہ الا اللہ ہوگی وہ جنت میں داخل ہوگا۔“

اور ایک روایت میں ہے:

((أَمَرْتُ أَنْ أَقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَشْهَدُوا أَنْ لَا



إِلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَأَنْ مُحَمَّدًا رَسُولَ اللَّهِ .))

”مجھے لوگوں سے قتال کا حکم دیا گیا ہے یہاں تک کہ لوگ لا

الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ کی شہادت دے دیں۔“

قرآن حکیم نے اس توحید کو پوری وضاحت و صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے، بار بار تذکرہ کیا ہے اور اس کی مثالیں پیش کی ہیں۔ قرآن کی ہر سورت کے اندر اس توحید کی طرف راہنمائی موجود ہے۔ توحید کی اس قسم کا نام توحید الہیت ہے، اس لیے کہ اس کی بنیاد اخلاص و عبادت پر ہے اور یہ اللہ تعالیٰ سے حد درجہ محبت کا نام ہے جو اخلاص عبادت کو مستلزم ہے اور یہی وجہ اس کے توحید عبادت ہونے کی ہے۔ اس کا نام توحید ارادہ بھی ہے، اس لیے کہ اللہ وحدہ لا شریک لہ کی عبادت کے لیے اخلاص ضروری ہے اور اس کی خاطر ارادہ لازم ہے۔ اور اس کا نام توحید عمل بھی ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے عمل کو خالص کرنے پر اس کی بنیاد ہے۔ قال تعالیٰ:

﴿فَاعْبُدِ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ﴾ [الزمر: ۲]

”اللہ کی عبادت کرو، اس کے لیے اطاعت کو خالص کر کے۔“

وقال تعالیٰ:

﴿قُلْ إِنِّي أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ ۝ وَأُمِرْتُ لِأَنْ أَكُونَ أَوَّلَ الْمُسْلِمِينَ ۝﴾

[الزمر: ۱۱، ۱۲]

”آپ کہہ دیجیے: میں تو مخلص بن کر اللہ کی عبادت کرتا ہوں، تم لوگ اس کے علاوہ جس کی چاہو پوجا کرو۔“

وقال تعالیٰ:

﴿ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا رَجُلًا فِيهِ شُرَكَاءُ مُتَشَاكِسُونَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِرَجُلٍ هَلْ يَسْتَوِيَانِ مَثَلًا الْحَمْدُ لِلَّهِ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ﴾ [الزمر: ۲۹]

”اللہ تعالیٰ نے مثال دی ہے ایسے آدمی کی جس کے کام میں بہت سے لوگ شریک اور آپس میں ایک دوسرے کی مخالفت کرنے والے ہیں اور ایک ایسے آدمی کی جو کسی ایک آدمی

کے لیے سالم ہے، کیا دونوں کی مثال برابر ہو سکتی ہے۔ ساری تعریف اللہ کے لیے ہے، لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔“

﴿قُلْ أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ أَرَادَنِيَ اللَّهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كَاشِفَاتُ ضُرِّيهِ أَوْ أَرَادَنِي بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكَتُ رَحْمَتِهِ﴾ [الزمر: ۳۸]

”آپ کہیے! کیا تم لوگ جنہیں اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو ان کے بارے میں خیال کرتے ہو کہ اگر اللہ مجھ کو نقصان دینا چاہے گا تو یہ لوگ اس نقصان کو دور کر دیں گے یا مجھ پر رحم کرنا چاہے گا تو یہ لوگ اس کی رحمت کو مجھ سے روک لیں گے۔“

﴿اتَّخِذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ شُفَعَاءَ قُلْ أَوَلَوْ كُنَّا آلَا يَمْلِكُونَ شَيْئًا وَلَا يَعْقِلُونَ ۝ قُلْ لِلَّهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا﴾

[الزمر: ۴۳-۴۴]

”ان لوگوں نے اللہ کے علاوہ بہت سے سفارشی بنائے ہیں۔ آپ فرمائیے کہ اگرچہ وہ لوگ نہ کسی چیز کے مالک ہیں اور نہ سمجھتے بوجھتے ہیں۔ آپ فرمائیے: تمام سفارشیوں اللہ کے لیے خاص ہیں۔“

﴿قُلْ أَفَغَيْرَ اللَّهِ تَتَمَرَّضُونَ إِلَيْهِ أَعْبُدُ إِلَٰهَ الْجَاهِلُونَ ۝ وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيْكَ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝ بَلِ اللَّهُ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِنَ الشَّاكِرِينَ ۝﴾ [الزمر: ۶۴-۶۶]

”آپ فرمائیے: اے جاہلو! کیا تم لوگ مجھ کو غیر اللہ کی عبادت کا حکم دیتے ہو؟ حالانکہ آپ اور آپ کے پہلے کے رسولوں کے پاس وحی آپکی ہے کہ اگر تم شرک کرو گے تو تمہارے اعمال برباد ہو جائیں گے اور خسارہ پانے والوں میں ہو جاؤ گے بلکہ اللہ کی عبادت کرو اور شکر گزار بنو۔“

(باقی صفحہ نمبر ۳۱ پر)



## جمہوریت کی قباحتیں

محمد شریف بلغاری

جمہوریت کی عنایات:

جمہوریت کے علمبرداروں نے انسانیت کو کیا دیا ہے؟ موجودہ دور کے ترقی یافتہ ممالک کی جانب نظر کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس جمہوری نظام نے مرد و عورت کی تمیز کو ختم کر دیا ہے۔ جنسی آزادی اس حد کو پہنچ چکی ہے کہ کچھ مغربی ممالک میں ہم جنس پرستی کا قانون وضع کیا گیا ہے۔ الہی تعلیمات سے کیا یہ کھلی بغاوت نہیں؟ اللہ تعالیٰ کا حکم تو خواتین کے لیے یہ ہے:

﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَى﴾ [الأحزاب: ۳۳]

”اور اپنے گھروں میں ٹکی رہو اور پہلی جاہلیت کی زینت ظاہر کرنے کی طرح زینت ظاہر نہ کرو۔“

لوگ تو حسن و زینت کے مقابلے کرواتے ہیں، اور ان بدکاروں کو تمنے دیتے ہیں۔ کیا یہی وہ جمہوریت ہے جس کی مدح سرائی کرتے بڑے بڑے مفکر تھکتے نہیں۔ اللہ تعالیٰ تو قرآن کریم میں عورتوں کو یہ حکم دیتے ہیں:

﴿فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَعْرُوفًا﴾ [الأحزاب: ۳۲]

”شیریں لہجے میں بات نہ کیا کرو کہ جس کے دل میں (بدکاری کی) بیماری ہے طمع کر بیٹھے، اور وہ بات کہو جو اچھی ہو۔“

میرے باغیرت مسلمان بھائیو!

علامہ اقبال کے کلام پر ذرا غور کیجیے

ترے دریا میں طوفان کیوں نہیں ہے  
خودی تیری مسلمان کیوں نہیں ہے  
عبث ہے شکوہ تقدیر یزداں  
تو خود تقدیر یزداں کیوں نہیں ہے

ان جمہوریت کے علمبرداروں نے کیا الجزائر میں نظام جمہوریت کے تحت منتخب ”الجماعۃ الاسلامیہ“ کو پسپے دیا؟ کیا یہ لوگ انتخاب میں جیتے نہیں تھے؟ پھر ان پر پابندی کیوں لگائی گئی؟ انتخاب کے حق میں مظاہرہ کرنے والوں پر گولیوں کی بوچھاڑ کر کے خون مسلم کو کیوں بہایا گیا؟ کیا فلسطین میں حماس نے ووٹوں کی اکثریت حاصل نہیں کی تھی؟ یہ تنظیم مخصوص لوگوں کا آلہ کار نہ بننے کی وجہ سے جمہوری طرز انتخاب میں فتح پانے کے باوجود چاروں طرف سے اس کا محاصرہ نہیں کیا گیا؟ اور کیا بے حساب بچوں اور عورتوں کو خاک و خون میں نہیں نہلایا گیا؟ افغانستان، عراق وغیرہ میں کون سی جمہوریت نے انھیں اپنی سرزمین کو پامال کرنے کی دعوت دی تھی؟ کیا ان مسلمان ملکوں میں جمہوریت کی پامالی کرتے ہوئے جمہور مسلمانوں کو قتل نہیں کیا گیا؟ اور یہ قتل و غارت اب تک جاری ہے۔ تیونس، مصر، یمن اور لیبیا وغیرہ میں حکمران کن کے وفادار تھے اور کن کے نظام کو اپنے ملکوں میں رائج کرنا چاہتے تھے۔ اور اہل یورپ نے مطلوبہ مقاصد حاصل نہ ہونے کی وجہ سے کس طرح ان کارندوں کو اور مغربی وفاداروں کو نمونہ عبرت بنا ڈالا، انھی مسلمان حکمرانوں سے متعلق علامہ اقبال نے فرمایا ہے۔

مغرب کی غلامی پہ رضا مند ہوا تُو  
مجھ کو گلہ تجھ سے ہے یورپ سے نہیں

آری چلا رہے ہیں۔ اسلام جو انسان کو شرف دے کر پھر شرف انسانی کی حفاظت کے لیے جو ضابطے، اور اخلاق حمیدہ کی پاسداری کے لیے جو آداب اور انسان کے ہر عضو کی حفاظت کے لیے جو تعلیم دیتا ہے، یہ نعرہ آزادی فکر اس الہی ضابطے سے لوگوں کو برگشتہ کر دیتا ہے۔ اسلام جہاں ہر عضو انسانی کی طرف سے کار خیر کرنے کی ترغیب دیتا ہے وہیں ہر عضو کی حفاظت کی بھی تاکید فرماتا ہے:

قال رسول الله ﷺ: ((كل سلامي من الناس عليه صدقة كل يوم تطلع فيه الشمس، تعدل بين الاثنين صدقة، وتعين الرجل في دابته فتحمل عليها أو ترفع له عليها متاعه صدقة، والكلمة الطيبة صدقة، وبكل خطوة تمشيها إلى الصلاة صدقة وتميط الأذي عن الطرق صدقة.)) (متفق عليه)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”ہر چڑھتے سورج والے دن انسان کے ہر جوڑ سے صدقہ ہوتا ہے، دو افراد میں انصاف کرنا صدقہ ہے، کسی شخص کو سواری پر بٹھانا یا اس پر سامان رکھنے میں مدد دینا صدقہ ہے، اور کسی سے اچھی بات کرنا صدقہ ہے، نماز کے لیے چلنے والا ہر قدم صدقہ ہے، اور راستوں سے تکلیف دینے والی چیزوں کو ہٹانا صدقہ ہے۔“ (بخاری و مسلم)

جمہوریت میں تو ہر کسی کو آزادی ہوتی ہے کہ جو کرنا چاہے کر لے، نہ کوئی پکڑ اور نہ مواخذہ۔ اگر کوئی مروت والا شخص کسی کی غلطی پر ٹوٹے، کسی کے اخلاق سوز بیان کی مذمت کرے، کسی کی غلط حرکت اور کرتوت پر اعتراض کرے، کسی کے خلاف فطرت کام پر تنقید کرے تو آزادی اظہار و آزادی فکر کے علمبرداروں کی طرف سے بیان دانے جاتے ہیں کہ ہر کسی کو اظہار رائے و فکر کی آزادی ہے، لہذا اس پر قدغن نہیں لگانا چاہیے۔

کیا مختلف مسلمان ملکوں میں یہ اہل مغرب اپنے ایک فرد کو بچانے کے لیے سینکڑوں مسلمانوں کے خون سے ہولی نہیں کھیتے؟ کیا ریمینڈ ڈیوس کی سفاکی کے خلاف نکلنے والی عوام کی جمہوری آواز کی قدر افزائی ہوئی؟ ڈرون حملوں کے خلاف ہر پاکستانی نے مذمتی بیان دیا، جلسے جلوس نکالے اور پھر پورا احتجاج کیا لیکن ان سب کے باوجود کیا ان جمہور کی آواز کو کچھ اہمیت دی گئی؟

مغربی جمہوریت کو قلب و نظر کی رنجوری قرار دیتے ہوئے علامہ اقبال رحمہ اللہ نے کیا ہی خوب فرمایا:

یہاں مرض کا سبب ہے غلامی و تقلید  
وہاں مرض کا سبب ہے نظام جمہوری  
نہ مشرق اس سے بری ہے نہ مغرب اس سے بری  
جہاں میں عام ہے قلب و نظر کی رنجوری

ان تمام تر حقائق کے باوجود نظام جمہوریت میں کامیابی سمجھنے والوں کو یہی کہا جاسکتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول ﷺ کو کہنے کو فرمایا:

﴿قُلْ يَقَوْمِ اعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ إِنِّي عَامِلٌ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ مَنْ تَكُونُ لَهُ عَاقِبَةُ الدَّارِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ﴾ [الأنعام: ۱۳۵]

”آپ یہ فرمادیجیے کہ اے میری قوم! تم اپنی حالت پر عمل کرتے رہو میں بھی عمل کر رہا ہوں، اب جلد ہی تم کو معلوم ہو جائے گا کہ اس عالم کا انجام کار کس کے لیے نافع ہوگا، یہ یقینی بات ہے حق تلفی کرنے والوں کو کبھی فلاح نہ ہوگی۔“

آزادی فکر:

جمہوری علمبرداروں کی طرف سے اسلام کے خلاف چلائے گئے نشتروں میں سے ایک نام نہاد آزادی فکر اور آزادی اظہار کا حق ہے۔ اس فکری جنگ کے ذریعے اہل مغرب اصل میں اسلام کی جڑوں پر

تقاضا ہے کہ کلام الہی پر غور و فکر کرتے ہوئے رب کریم کے فرامین کی پیروی کرنے والے بن جائیں۔ اللہ نے قرآن پر تدبر نہ کرنے والوں کو زجر و توبیخ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا﴾

[محمد: ۲۴]

”کیا قرآن کریم میں غور نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں۔“

یوں تو انسان اس فانی دنیا میں عارضی آرام و راحت اور عزت و حشمت کے لیے بہت تگ و دو اور محنت مزدوری کرتا ہے اور طرح طرح کی مشقتیں اٹھاتا ہے۔ دنیاوی منفعت سمیٹنے کے لیے بہت عقل دوڑاتا ہے اور نت نئے تجربات کرتا ہے لیکن ابدی آرام و سکون اور اخروی کامیابی کے لیے عقل استعمال نہیں کرتا۔ آیت مذکورہ میں انہی لوگوں کے دلوں کو جو ابدی فلاح کے لیے غور و فکر نہیں کرتے، قفل بند گھروں سے تعبیر کیا ہے۔ جس طرح کسی کو گھر میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے تالہ لگایا جاتا ہے ویسے ہی جو شخص اپنے دل میں قرآنی ہدایت کو جگہ نہیں دیتا گویا اس کے دل پر تالا پڑا ہوا ہے۔ اور یہ تالہ کفر و عناد، تکبر و سرکشی، شرک و بدعت ہی کی وجہ سے ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے منکر اور حشر نشر کی ہولناکیوں سے نابلد انسانوں کو اللہ رب العزت دعوت فکر دیتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا فِي أَنفُسِهِمْ مَا خَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ وَأَجَلٍ مُّسَمًّى وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَائِ رَبِّهِمْ لَكُفْرُونَ﴾ [الروم: ۸]

”کیا انھوں نے اپنے دلوں میں غور نہیں کیا کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو اور ان کے درمیان کی ہر چیز کو حق اور مقررہ وقت تک کے لیے پیدا کیا ہے اور بیشک بہت سے لوگ تو اپنے رب سے ملنے ہی کے منکر ہیں۔“

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس انداز میں تخلیق فرمایا کہ اس کی دوسری

اگر ہم قرآن کریم کو گہری نظر سے پڑھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ کلام الہی لوگوں کو تدبر و فکر کی جانب ترغیب دیتا ہے اور تفقہ و تعمق کی دعوت دیتا ہے، جیسا کہ اللہ جل شانہ نے فرمایا:

﴿يَتَّبِعْ آيَاتِنَا لِيَذَكَّرُوا إِلَيْهِ وَلِيَتَذَكَّرُوا أَلْوَالِيَ الْأَلْبَابِ﴾ [ص: ۲۹]

”یہ بابرکت کتاب ہے جسے ہم نے آپ کی طرف اس لیے نازل فرمایا ہے کہ لوگ اس کی آیتوں پر غور و فکر کریں اور عقل مند اس سے نصیحت حاصل کریں۔“

اس محکم آیت کریمہ سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن کریم مجسمہ خیر و برکت ہے۔ جہاں قرآن پاک سے انسان کو روحانی برکتیں، سکون و راحت، اطمینان و مسرت حاصل ہوتی ہے وہیں ظاہری طور پر علم و عرفان کے دروازے کھلتے ہیں، اور یہ کتاب ایسی بابرکت ہے کہ کوئی بھی ذی عقل انسان طمع و حرص سے پاک ہو کر، عیاشی و آسائش دنیا کو چھوڑ کر اور تعصب کی عینک اتار کر تدبر و تفحص کرے تو اس کے سامنے ہدایات کی ایسی روشنی پھوٹی ہے اور فیوض و برکات کا ایسا سورج طلوع ہوتا ہے کہ اس کی ہدایات کی کرنوں سے مستفید ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اللہ تعالیٰ انسانوں کو قرآن میں غور و خوض کرنے کی دعوت دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿أَفَلَمْ يَذَكَّرُوا الْقَوْلَ أَمْ جَاءَهُمْ مَا لَمْ يَأْتِ آبَاءَهُمْ الْأَوَّلِينَ﴾ [المؤمنون: ۶۸]

”کیا انھوں نے بات (قرآن) میں غور و فکر ہی نہیں کیا یا

ان کے پاس وہ چیز آئی ہے جو ان کے باپ دادا کے پاس نہیں آئی؟“

یہاں اللہ تعالیٰ اپنی کلام کے ایک ایک نکتے پر گہری نظر کرنے کا حکم فرما رہے ہیں اور سوالیہ انداز میں انسانوں کی عقل کو جھنجھوڑ رہے ہیں۔ گویا عقل انسانی اللہ کی عظیم نعمت ہے اور اگر بصیرت نہ ہوتی تو انسان عام حیوانوں جیسا ہی ہوتا، لہذا اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کبریٰ کا

مثال ملنا محال ہے۔ اسی طرح رب تعالیٰ کے تخلیق کردہ آسمان و زمین کی عظیم تخلیق پر دل پینا سے غور و خوض کریں تو رب قادر کی وحدانیت کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہا جاسکتا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو دعوت فکر دی ہے کہ رب کریم کی ان عظیم تخلیقات پر غور و فکر کرتے ہوئے ایمان کی عظیم دولت سے مالا مال ہو جائیں اور اللہ کریم سے ملاقات کے متلاشی بنیں اور آخرت کی فکر کرتے ہوئے قرآن و حدیث کے مطابق زندگی گزاریں۔

اللہ تعالیٰ کی آیات اور نشانیوں پر غور و فکر نہ کرنے والے، قرآنی تعلیمات سے پہلو تہی کرنے والے، وعظ و نصیحت سے روگردانی کرنے والے اور عارضی منفعت کے پیچھے دنیاوی مال سمیٹنے کے لیے لپکنے والے چاہے دنیوی طور پر ترقی یافتہ ہو جائیں، مال و دولت کے انبار لگا دیں، عزت و شرف کے اعلیٰ مرتبے پر فائز ہو جائیں اور طاقت و اقتدار پر براجمان ہو جائیں لیکن اخروی زندگی میں ان کی حیثیت مفلس و قلاش کی سی ہوگی۔

اللہ کی آیتوں سے نا آشنا انسان اللہ کی نظر میں ہانپنے والے کتے سے زیادہ کچھ اہمیت نہیں رکھتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلَكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ إِنْ تَحَوَّلَ عَلَيْهِ يَلْهَثُ أَوْ تَتَرَّكُهُ يَلْهَثُ ذَلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَبُوا بِآيَاتِنَا فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ سَاءَ مَثَلًا الْقَوْمُ الَّذِينَ كَذَبُوا بِآيَاتِنَا وَانفُسُهُمْ كَانُوا يَظْلُمُونَ﴾

[الأعراف: ۱۷۶-۱۷۷]

”اور اگر ہم چاہتے تو اسے (انسان کو) ان (آیتوں) کے ذریعے بلند کر دیتے مگر وہ زمین کی طرف چٹ گیا اور اپنی خواہش کے پیچھے لگ گیا تو اس کی مثال کتے کی مثال کی طرح ہے، اگر تو اس پر حملہ کرے تو زبان نکالے ہانپتا ہے یا اسے چھوڑے تو بھی زبان نکالے ہانپتا ہے۔ یہ ان لوگوں کی

مثال ہے جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا، سو تو یہ بیان سنا دے، تاکہ وہ غور و فکر کریں۔ برے ہیں وہ لوگ مثال کی رو سے جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور اپنی ہی جانوں پر ظلم کرتے رہے۔“

غرضیکہ اللہ جل شانہ نے قرآن کریم میں مختلف انداز میں غور و فکر کرنے کی دعوت دی ہے۔ اور اگر کوئی بھی انسان قرآنی تعلیمات کے بحرِ خزاں میں غوطہ زن ہو جائے، میدانِ علم و معرفت کا شہسوار بن جائے اور قرآنی علوم کا خوشہ چھیں بن جائے تو اس کے سامنے علم و معرفت کے نئے اسرار و رموز کھلتے ہی چلے جاتے ہیں۔ مسلمان مدبرین اور فلاسفوں نے قرآن حکیم کی روشن تعلیمات سے ایسے ایسے نکتے نکالے جن کی روشنی میں انہوں نے ترقیوں کے زینے طے کیے۔ فلکیات و ارضیات میں ایسے ایسے متحیر العقول ایجادات کیں کہ اس دور کے اہل مغرب حیران و ششدر رہ گئے۔ حربی ٹیکنالوجی سے لے کر زرعی اصلاحات تک ترقی کی منازل طے کرتے ہوئے بلند یوں کو چھونے لگے۔ آج کے ترقی یافتہ اہل یورپ ان ہی کی تعلیمات کے خوشہ چھیں ہیں۔ جدید دور کی سائنسی ترقی کا منبع و ماخذ قرآن کریم ہی ہے۔ مختصراً درج ذیل قرآنی اعجاز و اسرار و رموز پر غور کیجیے:

۱: فضاؤں کی تسخیر: ہوائی سفر اور علم فلکیات کی طرف درج ذیل قرآنی آیات میں اشارہ ملتا ہے اور مسلمانوں نے اسی سے استفادہ کرتے ہوئے بڑی ترقیاں کیں اور اسی سے اہل مغرب مزید تحقیقات کر کے ترقی کی منازل طے کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلْيُسَلِّمَنَّ الْريِّحُ غُدُوهاَ شَهْرًا وَرَوَّاحُهاَ شَهْرًا﴾

[سبا: ۱۲]

”اور ہم نے سلیمان کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا کہ صبح کی منزل اس کی مہینہ بھر کی ہوتی اور شام کی منزل بھی۔“

زاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کر دینے کا معجزہ عطا فرمایا گیا۔

(احسن البیان: ۱۳۷)

۴: جنگی ٹیکنالوجی کی تیاری اور لوہے سے تیار شدہ ٹینکوں، جنگی جہازوں اور ایٹمی آبدوزوں کی جدید شکل کی جانب بھی قرآن کریم سے اشارہ ملتا ہے جیسا کہ زرہ بانی کی صنعت لوہے کو نرم کر کے جنگی ساز و سامان بنانے کا داود علیہ السلام کو حکم دیا گیا:

﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ مِنَّا فَضْلًا يُجِبَالُ أَوْبَىٰ مَعَهُ وَالطَّيْرِ وَالنَّالَهُ الْحَدِيدَ ۖ أَنِ اعْمَلْ سَبْعَ سَبْعِينَ وَاقِعًا فِي السَّرْدِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝﴾

[سبا: ۱۰، ۱۱]

”اور بلاشبہ ہم نے داود کو اپنی طرف سے ایک فضل عطا کیا، اے پہاڑو! اس کے ساتھ شیخ کو دہراؤ اور پرندے بھی اور ہم نے اس کے لیے لوہے کو نرم کر دیا کہ کشادہ زرہ بنائے اور کڑیاں جوڑنے میں اندازہ رکھ اور نیک عمل کرو، یقیناً ہم اسے جو تم کرتے ہو خوب دیکھنے والے ہیں۔“

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ہر قسم کی حربی استعداد بڑھانے، طاقت جمع رکھنے اور دشمن کو خوفزدہ رکھنے کا حکم فرمایا:

﴿وَاعِدُوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْغَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ﴾

[الأنفال: ۶۰]

”تم ان (کافروں) کے مقابلے کے لیے اپنی طاقت کے مطابق بھرپور تیاری کرو اور گھوڑے بھی تیار رکھو کہ اس سے تم اپنے اور اللہ کے دشمنوں کو خوفزدہ رکھ سکو۔“

ہمارے اس دور میں گھوڑے کی جگہ بکتر بند گاڑیاں، ٹینک، بحری و ہوائی جنگی جہاز نے لے لی ہے۔ اور ﴿مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ سے ہر طرح کے حربی آلات (راکٹ، میزائل اور ایٹمی صنعت) میں مقدور بھر ترقی کر کے جنگی قوت بڑھانے کا تاکید حکم ثابت ہوتا ہے۔

۵: معدنیات و ذخائر کی جانب پہاڑوں کی تسخیر سے اشارہ ملتا ہے

سلیمان علیہ السلام مع اعیان سلطنت اور لشکر تخت پر بیٹھ جاتے اور جدھر آپ کا حکم ہوتا ہوا نہیں اسے اتنی رفتار سے لے جاتیں کہ ایک مہینے جتنی مسافت صبح سے دوپہر تک کی ایک منزل میں طے ہو جاتی اور پھر اسی طرح دوپہر سے رات تک ایک مہینہ جتنی مسافت طے ہو جاتی۔ اس طرح ایک دن میں دو مہینوں کی مسافت طے ہو جاتی۔ (جیسا کہ آج کل اتنی مسافت ہوائی جہازوں کے ذریعے طے ہو رہی ہے۔)

(احسن البیان: ۱۲۱۰)

۲: سمندروں کی تسخیر: بحری ٹیکنالوجی کی جانب بھی قرآن کریم سے تعلیم ملتی ہے جس میں بہتری لاتے ہوئے آج کل جہاز بردار سمندری بیڑے سے لے کر آبدوزیں تک تیار کر لی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَأَنجَيْنَاهُ وَأَصْحَبَ السَّفِينَةَ وَجَعَلْنَاهَا آيَةً لِلْعَالَمِينَ ۝﴾ [العنکبوت: ۱۵]

”پھر ہم نے انھیں (نوح علیہ السلام) اور کشتی والوں کو نجات دی اور اس واقعہ کو ہم نے تمام جہان کے لیے عبرت کا نشان بنایا۔“ اسی طرح موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کے کشتی کا سفر بھی سورہ کہف (آیت نمبر: ۷۱، ۷۹) میں بیان ہوا ہے۔

۳: علم طب اور میڈیکل کی جانب بھی قرآن کریم اشارہ کر چکا ہے۔ اس سے سبق لے کر میدان طب و جراحات میں بڑی ترقیاں کی ہیں اور ہر طرح کے امراض کا علاج دریافت کیا ہے اور کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو جو معجزہ اس دور کے مطابق عنایت فرمایا تھا اس کے تحت عیسیٰ علیہ السلام کے کلام کو قرآن میں نقل کر کے ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَإِبْرَاهِيمَ الْإِسْمَ وَالْأَبْرَصَ﴾ [آل عمران: ۴۹]

”اور اللہ کے حکم سے میں مادر زاد اندھے کو اور کوڑھ کی بیماری کو ٹھیک کر دیتا ہوں۔“

عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں طب کا بڑا چرچا تھا، چنانچہ انھیں مادر

وکسوٹی بنایا جس پر مسلمان سائنسدانوں کو تدبر و فکر کرنا چاہیے۔ اور موجودہ دور کے عقل انسانی کو خدا سمجھنے والوں کو قرآنی تعلیمات سے بہر مند ہو کر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، قدرت مطلقہ اور سپر پاور ہونے کی جانب راہنمائی کرتے ہوئے جنس انسانی کے لیے راہنما اصول بنانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اور اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جا بجا ﴿أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ﴾، ﴿أَفَلَا يَتَفَكَّرُونَ﴾ اور ﴿أَفَلَا يَبْصُرُونَ﴾ جیسے الفاظ سے ضمیر انسانی کو جھنجھوڑا ہے، لہذا مذکورہ آیات سے معلوم ہوا کہ اسلام دعوت فکر دیتا ہے، اسلام میں آزادی فکر ہے، لیکن نام نہاد آزادی رائے، جس کی موجودہ جمہوری دور میں اعلیٰ سطح سے پشت پناہی کی جارہی ہے، پروان چڑھ رہی ہے اور ہر سو آزادی رائے کی صدا کی گونجتی سنائی دے رہے ہیں۔ قرآن کی روشنی میں اس دعوت کی افادیت یا نقصان پر غور کیجیے۔ (جاری ہے)

### ضروری اعلان

- ہفت روزہ ”الاعتصام“ لاہور میں مضامین ارسال کرنے والے خواتین و حضرات درج ذیل باتوں کا ضرور خیال فرمایا کریں:
- ① مضمون کاغذ کی ایک طرف لکھا ہو، صاف ستھرا اور حاشیہ چھوڑ کر لکھیں۔
  - ② مضمون مدلل، باحوالہ، آیت، حدیث اور کتب کے نام و صفحہ نمبر مکمل تحریر فرمائیں۔
  - ③ جلسوں، کانفرنسوں کے اشتہارات یا اعلانات بھیجنے والے احباب اس کا اعلان جلسہ یا کانفرنس کے انعقاد سے پندرہ دن پہلے ارسال کر دیا کریں، نیز ان جلسوں یا تقاریب کی رپورٹ وغیرہ شائع کرنے سے ادارہ قاصر ہے۔
  - ④ مضمون ارسال کرنے والے شائع ہونے کے لیے اپنی باری کا انتظار کیا کریں نیز غیر معیاری مضامین کی اشاعت سے اداه معذرت خواہ ہے۔ امید ہے قارئین دفتر الاعتصام سے تعاون کریں گے۔ (منیجر)

جس کی روشنی میں آج کل تحقیقات کر کے پہاڑوں سے ہیرے جواہرات یا قوت و مرجان و دیگر قیمتی پتھر اور دھاتیں نکالی جا رہی ہیں۔ تنخیر جبال سے متعلق اللہ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ﴾ [ص: ۱۸]

”ہم نے پہاڑوں کو (انسانوں کے لیے) مسخر کیا۔“

”اور خاص طور پر پہاڑوں کو داؤد علیہ السلام کے لیے اتنا مسخر کیا کہ

یہ پہاڑ آپ (علیہ السلام) کے ساتھ اللہ کی تسبیح بیان کرتے۔“

(سورہ ص: ۱۸)

اسی طرح پہاڑوں کو تراش کے گھر بنانا، پہاڑوں میں سکونت اختیار کرنا، پہاڑوں کے چلنے اور ریزہ ریزہ ہونا اور پہاڑوں کی رنگت کا مختلف ہونا مختلف سورتوں کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے۔ جس پر غور و فکر کرنے سے نئی نئی معلومات اور ذخائر کا علم ہوتا ہے۔

غرضیکہ جدید دور کے محیر العقول ایجادات کی اصل اور منبع قرآن کریم ہی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے خاتم الانبیاء محمد اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اتارا اور قیامت تک کے انسانوں کے لیے ذخیرہ علم و معرفت، منبع رشد و ہدایت اور دنیا و آخرت کی کامیابی و کامرانی کا محور

### دعائے صحت کی درخواست

- ①..... مولانا قاری محمد اسماعیل اسد (حافظ آبادی) اور ان کی والدہ محترمہ ان دنوں شدید علیل ہیں۔ دونوں ہسپتال میں زیر علاج ہیں۔ احباب و قارئین ان کے لیے دعائے صحت فرمائیں۔

(حسن خان، حافظ آباد)

- ②..... حاجی اشتیاق احمد خان نمبردار، امیر جماعت اہل حدیث 9/134- ایل، ساہیوال، ان دنوں علیل ہیں۔

احباب دعائے صحت فرمائیں۔

(قاری محمد حسن سلفی، صدر اہل حدیث یوتھ فورس۔ ساہیوال)



## مولانا عبدالرزاق السلفی رحمہ اللہ عنایت پوری بہاولپوری

عبدالرحیم اظہر ڈیروی

مختصر تعارف بہاولپور:

اس مقام پر ایک بہاول خان نامی آدمی آباد ہوا۔ اُس وقت اس علاقے کا نام بستی راجھے خان تھا۔ ایک عرصہ بعد بہاول خاں اول کی مناسبت سے اس کا نام بہاولپور معروف ہو گیا۔ سلطان محمود غزنوی نے بھی اس علاقے کو فتح کیا تھا۔ مغلیہ خاندان کے زوال پر عباسی خاندان نے دو سو سال اس خطے پر حکمرانی کی۔ حکومت برطانیہ نے بھی انہی نوابوں کی حکومت کو برقرار رکھا۔

بہاولپور ۱۷۲۶ء تا ۱۹۵۱ء خود مختار ریاست رہی۔ قیام پاکستان کے بعد نواب سر محمد صادق خان عباسی پنجم نے یہ ریاست پاکستان میں شامل کر دی۔ جنرل یحییٰ خاں کے دور میں اس کی صوبائی حیثیت ختم کر دی گئی اور صوبہ پنجاب میں شامل کر کے ڈویژن کا درجہ دے دیا گیا۔

ضلع بہاولپور محدثین عظام، جلیل القدر ملکی اور بین الاقوامی شہرت کی حامل علمی و تحقیقی شخصیات کا مسکن رہا ہے۔ مولانا عبدالحق محدث ریاستی سابق مدرس حرم پاک سعودیہ عرب، مولانا عبدالرزاق فاروقی، مولانا عبدالوکیل ہاشمی سابق مدرس حرم شریف، پروفیسر محمد عبداللہ بہاولپوری اور مولانا عبدالرزاق السلفی رحمہ اللہ سابق ضلعی امری مرکزی جمعیت اہل حدیث ضلع بہاولپور ان شخصیات میں سرفہرست ہیں۔ اس وقت پیش نظر آخری بزرگ مولانا سلفی رحمہ اللہ ہیں۔

مولانا سلفی کی ولادت و مسکن:

مولانا سلفی مرحوم ۱۹۴۵ء کو قصبہ عنایت پور، تحصیل احمد پور شرقیہ، ضلع بہاولپور کے حاجی نور محمد (متوفی ۱۹۹۹ء) کے ہاں پیدا ہوئے۔ ان کے آباء و اجداد کا تعلق بستی ملوک، ضلع ملتان سے تھا۔ وہاں سے

ترک سکونت کر کے عنایت پور (گلاب) میں آباد ہوئے جو شہر احمد پور شرقیہ سے تقریباً پندرہ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔

حلیہ:

بقول محترم حمید اللہ خان عزیز (ایڈیٹر ماہنامہ تفہیم الاسلام، احمد پور شرقیہ) مولانا سلفی رحمہ اللہ دراز قد و قامت، ملاحیت بھری موٹی موٹی آنکھیں، خوبصورت کتابی چہرہ، اخلاق و مروت سے معمور اور حسن گفتار سے آراستہ تھے۔

تعلیم:

مولانا عبدالرزاق سلفی رحمہ اللہ کے والد محترم حاجی نور محمد رحمہ اللہ کو تعلیم سے بہت محبت تھی۔ انھوں نے اپنے فرزند کو عصری تعلیم دلوانے کے لیے گاؤں کے پرائمری سکول میں داخل کرادیا۔ پرائمری پاس کرنے کے بعد محترم سلفی گورنمنٹ صادق عباس ہائی سکول احمد پور شرقیہ میں داخل ہوئے جہاں اُن کو علامہ مولانا عبدالرزاق فاروقی رحمہ اللہ جیسے عظیم مدرس کی شاگردی کا شرف حاصل ہوا۔ مولانا سلفی مرحوم نے ۱۹۶۴ء کو میٹرک کا امتحان اچھے نمبروں میں پاس کیا۔

میٹرک کے بعد انھوں نے بہاولپور کے ایس۔ ای کالج میں داخلہ لے لیا۔ وہاں اُن کو مفکر اسلام پروفیسر حافظ محمد عبداللہ ایسے عظیم اُستاد ملے جنھوں نے اُن کی احسن انداز سے تربیت فرمائی۔ اسی طرح انھوں نے ۱۹۷۰ء میں بی۔ اے کا امتحان اچھے نمبروں میں پاس کیا۔

دینی تعلیم:

آپ کو دینی تعلیم حاصل کرنے کا بے حد شوق تھا۔ آپ مطالعے کا عمدہ ذوق رکھتے تھے جس کے نتیجے میں آپ نے مسلک سلف صالحین



اختیار کر لیا۔ اسی طرح محقق العصر پروفیسر محمد عبداللہ بہاولپور رحمۃ اللہ علیہ کی شفقت و خلوص اور محنت نے آپ کو راسخ فی العلم بنا دیا۔ انھی سے آپ نے درس نظامی کی کتب پڑھیں تھیں۔

#### ملازمت و دینی خدمات:

جب محترم سلفی مرحوم نے بی۔ اے تعلیم مکمل کر لی تو اُس وقت اُن کو یونیورسٹی میں سرکاری نوکری ملتی تھی لیکن انھوں نے اُس کو ٹھکرا کر تبلیغ و دعوت دین کے لیے کام کرنے کو ترجیح دی۔ آپ کے استاد محترم پروفیسر بہاولپوری نے فرمایا تھا کہ تم نمبردار کے بیٹے ہو، تم کسی کی نوکری کرنے کے بجائے اللہ رب العزت کے دین کی خدمت کرو، اللہ تعالیٰ بہتری فرمائے گا۔

جب آپ کے والد محترم حاجی نور محمد مرحوم کو علم ہوا کہ میرا بیٹا نوکری نہیں کرنا چاہتا اور مسلک اہل حدیث قبول کر چکا ہے تو غصے میں آ کر گھر سے نکال دیا لیکن اس مرد مجاہد نے نہایت حوصلے اور بردباری سے پریشانیوں اور مشکلات کا سامنا کیا۔ اُس وقت اُن کے علاقے میں اہلحدیث کا نام لینا جرم سمجھا جاتا تھا۔

مولانا سلفی مرحوم نے دینی و مسلکی خدمات میں مثالی کردار ادا کیا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ ایک بہترین خطیب اور ممتاز عالم دین تھے۔ انھوں نے قال اللہ وقال الرسول ﷺ کی اشاعت و ترویج کے لیے بہاولپور ضلع کے دور دراز علاقوں کے سفر کیے۔ ان کا وعظ و خطاب نہایت مؤثر ہوتا، چنانچہ محترم حمید اللہ خان عزیز آف احمد پور شرقیہ نے بتایا کہ میں کسی خطیب، مبلغ یا عالم دین کی تقریر سے اتنا متاثر نہیں ہوا جتنا اُن کی تقریر اور تلاوت سے متاثر ہوا۔ جب وہ قرآن پاک کی تلاوت فرماتے تو میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے۔

#### قیام مدرسہ جامعہ محمدیہ:

ایک وقت تھا کہ پورے موضع عنایت پور میں اہل حدیث کی کوئی مسجد نہیں تھی۔ اگر کوئی اہل حدیث کسی دوسرے مسلک کی مسجد میں جا کر نماز پڑھتا لوگ اس کو وہابی کہتے اور اپنی مسجد کو دھوتے۔ مولانا سلفی مرحوم کو اشاعت دین سے بہت محبت تھی۔ انھوں نے اپنے حلقہ

احباب کی فکر کو تبدیل کرنے کی بے حد محنت کی اور انھی کے ذریعے انھوں نے ڈیرہ علم دین سندھو پر اپنے دینی پروگرام کا آغاز خطبہ جمعہ سے کیا۔ یہ ڈیرہ سلفی مرحوم کے گھر سے ۳ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ بالآخر رمضان المبارک میں نماز تراویح پڑھنے کا موقع آیا۔ مولانا محمد اشاق سلفی کے والد محترم محمد حسین رحمۃ اللہ علیہ، محترم حاکم علی ڈھلو اور چوہدری اسماعیل سندھو رحمۃ اللہ علیہ اُسی ڈیرے میں نماز تراویح پڑھا کرتے تھے۔ جب آپ رحمۃ اللہ علیہ کے والد محترم نے یہ صورت حال دیکھی تو انھوں نے کچھ رقبہ آپ کو دے دیا۔ وہاں پر پہلے چھوٹی سی مسجد تھی۔ مولانا سلفی رحمۃ اللہ علیہ نے اُسی چھوٹی مسجد میں جمعۃ المبارک شروع کر دیا اور سالانہ جلسے بھی کرائے۔ جماعت کے اکابرین اور ممتاز علماء نے تشریف لا کر اپنے خطابات سے علاقے کے لوگوں کو متاثر کیا۔ آج الحمد للہ موضع عنایت پور میں چار مساجد اہل حدیث ہیں۔

عنایت پور میں پہلی مسجد کا افتتاح پروفیسر عبداللہ بہاولپوری نے خطبہ جمعۃ المبارک سے کیا۔ قلیل عرصہ میں مولانا سلفی مرحوم نے ۱۹۷۸ء میں ادارہ جامعہ محمدیہ قائم کیا۔ جس میں شعبہ تحفیز القرآن اور درس نظامی کی تعلیم کے لیے ممتاز قراء اور جید علماء کی خدمات حاصل کی گئی تھیں۔ اُن میں اُس وقت مولانا حضور احمد (سابق دیوبندی) مدرسہ مذکور میں شیخ الحدیث تھے۔ کافی تعداد میں بچوں نے دیکھ کر قرآن پڑھا اور حفظ کیا۔ درس نظامی کی تعلیم بھی حاصل کرنے والوں کی تعداد کافی تھی۔

#### امارت:

مولانا سلفی باصلاحیت و مدبر اور دور اندیش انسان تھے۔ ۱۹۸۲ء میں مرکزی جمعیت اہل حدیث ضلع بہاولپور کا مولانا سلفی رحمۃ اللہ علیہ کو ضلعی امیر منتخب کیا گیا۔ اور تادم زیست اس ذمہ داری کو احسن طریق سے نبھاتے رہے، مولانا سلفی مرحوم کی قائدانہ صلاحیتوں کی بدولت ضلع بہاولپور کی جمعیت کا پورے پنجاب میں صف اول کی جمعیتوں میں شمار کیا جانے لگا۔

مولانا مرحوم کا ضلع کے ہر فرد سے ذاتی تعلق تھا۔ اور ہر جماعتی یہ

اپنے والد مرحوم کے پہلو میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ یہ نہایت ہی مختصر مضمون ہے۔ تفصیلی تذکرہ علمائے اہل حدیث جنوبی پنجاب (کتابی صورت) میں آئے گا۔ ان شاء اللہ الکریم

نیز یہ مضمون بھی محترم حمید اللہ خان عزیز صاحب کی رہنمائی میں لکھا گیا ہے اور وہ خود بھی مولانا سلفی مرحوم کے بارے لکھ رہے ہیں۔



### مولانا محمد یونس عاصم وفات پا گئے

مولانا محمد یونس عاصم (شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ، اسلام آباد) ۳ دسمبر ۲۰۱۱ء بروز ہفتہ رات ۹ بجے شب حرکت قلب بند ہونے سے وفات پا گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم ایک بااخلاق اور کہنہ مشق استاذ تھے۔ ان کی عمر بیالیس برس تھی اور کافی عرصہ تک تعلیم و تدریس سے وابستہ رہے۔ شیخ الحدیث مولانا عبدالعزیز علوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہ شاگرد تھے۔ انھوں نے ہی مرحوم کی نماز جنازہ بھی پڑھائی۔ جنازے میں ڈاکٹر حافظ عبدالرشید اظہر، حافظ عبدالحمید ازہر، مولانا عبدالعزیز حنیف، چوہدری محمد یونس، مولانا فضل الرحمن مدنی رحمۃ اللہ علیہ و دیگر بے شمار علماء و طلبائے مدارس دینیہ نے شرکت فرمائی۔ احباب سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔ اللہ کریم مرحوم کی خدمات قبول فرمائے اور اعلیٰ علیین میں جگہ عطا کرے، آمین۔ (کلیم حسین شاہ، جامعہ سلفیہ، اسلام آباد)

### سالانہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کانفرنس

جامعہ محمدیہ اہل حدیث خان پور (ضلع رحیم یار خان کے زیر اہتمام ۳۶ ویں سالانہ اہل حدیث کانفرنس ۲۳، ۲۴، ۲۵ مارچ ۲۰۱۲ء بروز جمعہ، ہفتہ، اتوار مرکز اہل حدیث خانپور میں منعقد ہوگی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ (شعبہ نشر و اشاعت جامعہ محمدیہ اہل حدیث خانپور، ضلع رحیم یار خان)



سمجھتا کہ اُن کا اپنے امیر سے زیادہ تعلق ہے اور امیر صاحب اُن سے زیادہ محبت رکھتے ہیں۔

مولانا نہایت ہی قدردان اور ملنسار عالم دین تھے۔ راقم کی اُن سے پہلی اور آخری ملاقات ۸، ۹ اپریل ۲۰۰۴ء سرگودھا شہر میں آل پاکستان اہل حدیث کانفرنس کے موقع پر ایک ہوٹل میں ہوئی جو شمالی پریس کے قریب تھا۔ میں چائے پینے کی غرض سے ایک خالی بیچ پر بیٹھا تھا، دو بزرگ بھی میرے ساتھ بیٹھ گئے۔ تعارف ہوا اور دونوں بزرگ نہایت ہی اچھے اور پر خلوص انداز سے ملے۔ ان میں سے ایک بزرگ ہمارے مدوح تھے۔

### سیاسی تدبیر:

مولانا سلفی رحمۃ اللہ علیہ مدبرانہ طبیعت کے حامل تھے۔ یہی وجہ ہے کہ میاں نواز شریف کے دوسرے دور حکومت میں پنجاب امن کمیٹی کے رکن منتخب ہوئے۔ وہ تقریباً ۲۵ سال امن کمیٹی ضلع بہاولپور کے بھی رکن رہے۔ سیاسی دائرہ کار وسیع ہونے کی بنا پر آپ رحمۃ اللہ علیہ متحدہ مجلس عمل ضلع بہاولپور کے نائب امیر بھی منتخب ہوئے۔ اور اسلامی سیاست کے فروغ اور آمریت کے خلاف جدوجہد میں اہم کردار ادا کیا۔

### تالیف و تصنیف:

مولانا سلفی مرحوم ایک بہترین مؤلف و مصنف بھی تھے۔ انھوں نے تقریباً یک صد کے قریب تبلیغی رسائل تصنیف و تالیف فرمائے ہیں۔

### وفات:

مولانا سلفی چند روز علیل رہے۔ آخر ۲۳ دسمبر ۲۰۱۱ء صبح چار بجے اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

اللہم اغفر لہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ .

اُن کی نماز جنازہ اُن کی رہائش گاہ سے ملحقہ وسیع و عریض گراؤنڈ میں ادا کی گئی۔ نماز جنازہ کی امامت کے فرائض مرکزی جمعیت اہل حدیث کے رہنما قاری عبدالوکیل صدیقی صاحب خان پوری نے ادا کیے۔ بعد ازاں انھیں ان کے آبائی قبرستان بستی منشی نواز خان میں

## قربانی نہ کرنے والے کے لیے بال اور ناخن نہ کٹانے کی پابندی

از عبد المنان نور پوری بطرف جناب محترم مفتی عبید اللہ خاں صاحب عقیف حفظہما اللہ العلیم اللطیف

نے فرمایا: ”جب تم ذوالحجہ کا چاند دیکھ لو اور قربانی کا ارادہ بھی ہو تو قربانی کرنے تک اپنے بال اور ناخن نہ کاٹو۔“  
یہ گھروں میں اضافی (قربانیاں) کرنے والوں کو حکم ہے، حاجیوں کی بات نہیں کیونکہ حاجیوں پر یہ پابندی تو احرام باندھتے ہی شروع ہو جاتی ہے۔ ان کے لیے ذوالحجہ کے چاند دیکھنے سے یہ پابندی شروع نہیں ہوتی۔ پھر جناب خود اسی مضمون میں سرخی ”ہدی اور قربانی میں فرق“ جما کر لکھتے ہیں:

”ہدی اس قربانی کو کہتے ہیں جو مکہ مکرمہ میں پہنچائی جائے، جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے: ﴿هَدِيَاً بِالْبَالِغِ الْكَعْبَةِ﴾ اور اضحیٰ اس قربانی کو کہتے ہیں جو اپنے وطن اور گھر میں کی جائے۔“

اور ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا والی مذکور بالا مرفوع حدیث میں لفظ ہے: ﴿وَأَرَادَ أَنْ يَضْحِيَ﴾ تو پتہ چلا اس حدیث میں حاجیوں کو بال اور ناخن نہ کٹانے کا حکم نہیں، گھروں میں اضافی (قربانیاں) کرنے والوں کو بال اور ناخن نہ کٹانے کا حکم ہے۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ یہ نص ہے اور رسول اللہ ﷺ کا اضافی (قربانیاں) کرنے والوں کو الگ سے حکم ہے۔ یہ حکم (گھروں میں قربانیاں کرنے والوں کا بال اور ناخن نہ کٹانا) حاجیوں کی مشابہت سے کشید نہیں کیا گیا۔ پھر ارادہ فرض کا بھی ہوتا ہے نفل کا بھی ہوتا ہے۔ ارادے سے نفل پر استدلال محل نظر ہے۔

مفتی الاخبار (مع نیل الأوطار: ۲۰۰/۵) میں ہے:

”باب ما يجتنبه في العشر من أراد التضحية:

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته

اما بعد! خیریت موجود عافیت مطلوب۔ موثر جریده ”الاعتصام“ جلد: ۶۳، شمارہ: میں جناب کا مایہ ناز مضمون ”قربانی کے متعلق آٹھ سوالات“ اور ”قربانی کے مسائل و آداب“ پڑھا۔ دل کی گہرائیوں سے دعا نکلی:

”اللهم زد عبدك هذا علما نافعا، وعملا متقبلا، ورزقا طيبا، وعمرا مباركا، وولدا صالحا، وقه شر الحاسدين، وشماتة المعادين، وأذى المعاندين.“

سوال نمبر: کیا قربانی کرنے والا شخص نماز عید الاضحیٰ پڑھ کر قربانی کا جانور ذبح کرنے سے پہلے اپنے بال بنوا سکتا ہے یا نہیں؟ اس جواب میں آپ لکھتے ہیں:

”اس مسئلے کا تعلق تو حاجی کے ساتھ ہے کہ وہ قربانی کا جانور ذبح کرنے یا جانور کے ذبح ہونے سے پہلے بال نہیں بنا سکتا مگر غیر حاجی پر ایسی کوئی پابندی شرعاً عائد نہیں، لہذا قربانی ذبح کرنے سے پہلے بلاشبہ بال بنا سکتا ہے۔ تاہم بہتر یہ ہے کہ قربانی ذبح کرنے کے بعد بال بنائے یا بنوائے تاکہ حاجیوں کے ساتھ مشابہت قائم رہے۔ هذا ما عندي والله أعلم بالصواب“

جناب گرامی! خود ہی اپنے مضمون ”قربانی کے مسائل و آداب“ میں لکھتے ہیں:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا مرفوعاً روایت کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ

### بقیہ: توحید عبادت

قرآن کی تمام سورتیں اس توحید کی طرف دعوت دیتی ہیں، اسی کا حکم کرتی ہیں اور اسی طرف راہ پانے والے شکوک و شبہات کا دروازہ بند کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ان انعامات و اکرامات کا تذکرہ کرتی ہیں، جس سے وہ اپنے موحد بندے کو نوازے گا۔ اور اُس دردناک عذاب کو بتاتی ہیں جو اس توحید کے مخالفین کے لیے اللہ تعالیٰ نے تیار کر رکھے ہیں۔

قرآن کی ہر سورت اس توحید کی داعی اور شاہد ہے، اسی پر مشتمل ہے، اس لیے کہ قرآن میں یا تو اللہ کے اسماء و صفات کی خبر ہے، اور یہ توحید ربوبیت اور توحید اسماء و صفات ہے اور توحید عبادت اس کو مستلزم اور متضمن ہے، یا پھر اللہ وحدہ لا شریک لہ کے لیے عبادت کی دعوت ہے اور غیروں کی عبادت سے بیزاری کا اعلان ہے۔ اقسام عبادت کا حکم اس کی تاکید اور اس کی مخالفت سے ممانعت ہے اور اسی کا نام توحید الہیت و عبادت ہے جو پہلی دونوں قسموں کو مستلزم اور متضمن ہے۔ یا موحدین کی عبادت گزاری، اطاعت شعاری اور دنیا میں یا آخرت میں ان کی عزت و اکرام اور قدر و منزلت کا تذکرہ ہے جو توحید کی جزا ہے۔ یا دنیا و آخرت میں مشرکین کی جو ذلت و رسوائی ہوگی اور ان کو جس حساب و عذاب کا سامنا ہوگا، اس کا بیان ہے اور یہ توحید کی مخالفت کی سزا ہے۔

یہ توحید دین اسلام کی روح اور اس کی حقیقت ہے۔ اس کے بغیر اللہ تعالیٰ کسی کا کوئی عمل قبول نہیں کرے گا، پس عبادت کی تمام قسموں کا اللہ کے لیے خالص ہونا ضروری ہے۔ جو شخص کسی عبادت کے اندر کسی دوسرے کو شریک کرے گا وہ مسلمان باقی نہیں رہے گا۔

عن أم سلمة أن رسول الله ﷺ قال: ((إذا رأيتم هلال ذي الحجة وأراد أحدكم أن يضحي فليمسك عن شعره وأظفاره.)) رواه الجماعة إلا البخاري، ولفظ أبي داود وهو لمسلم والنسائي أيضا: ((من كان له ذبح يذبحه، فإذا أهل هلال ذي الحجة فلا يأخذن من شعره وأظفاره حتى يضحي.)) صاحب نيل الاوطار لکھتے ہیں:

”واحتج من قال بالتحريم بحديث الباب لأن النهي ظاهر في ذلك، واحتج الشافعي بحديث عائشة المتقدم: أن النبي ﷺ كان يبعث بهديه ولا يحرم عليه شيء أحله الله له حتى ينحر هديه. فجعل هذا الحديث مقتضيا لحمل حديث الباب على كراهة التنزيه، ولا يخفى أن حديث الباب أخص منه مطلقا فينبني العام على الخاص، ويكون الظاهر مع من قال بالتحريم ولكن علي من أراد التوضيح.“ (۲۰۰/۵)

تمام احباب و اخوان کی خدمت میں تحیہ سلام پیش فرمادیں۔



## الاعتصام

ایک علمی، اصلاحی اور دعوتی جریدہ ہے، اس کے فروغ اور توسیع اشاعت میں بھرپور حصہ لیں۔ اس سے مالی تعاون کرنا آپ کا اخلاقی فریضہ ہے۔ (ادارہ)

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے جد امجد امام عبدالسلام رحمہ اللہ کی فقہ الحدیث کی بلند پایہ کتاب

## منتقى الاخبار (مترجم)

- امام عبدالسلام رحمہ اللہ، جد امجد شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی یہ کتاب معاشرتی مسائل و احکام پر جامعیت کے لحاظ سے ایک خاص مقام و مرتبے کی حامل ہے، اس میں چار ہزار احادیث مبارکہ عربی متن اور اردو ترجمے کے ساتھ جمع کی گئی ہیں۔
- اس عظیم کتاب کا سلیس اردو ترجمہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد داؤد راجہ رحمہ اللہ نے فرمایا تھا۔ اس پر نظر ثانی، تنقیح و تہذیب مولانا محمد ابوبکر صدیق السلفی رحمہ اللہ نے فرمائی ہے۔

تہذیب و تنقیح

○ یہ اہم کتاب ۲۱ مضبوط جلدوں پر مشتمل ہے۔ عمدہ گلنر کاغذ، کمپیوٹر کمپوزنگ قیمت = ۲۰۰ روپے عام رکھی گئی ہے۔

ناشر: دار الدعوة السلفیہ، ۳۱۔ شیش محل روڈ لاہور۔ پوسٹ کوڈ ۵۴۰۰۰

طبع اول (۱۹۵۶ء)  
طبع دوم (۲۰۱۰ء)

## حجیت حدیث نمبر ہفت روزہ الاعتصام

ہفت روزہ الاعتصام کے حجیت حدیث نمبر کا دوسرا ایڈیشن شائع ہو گیا ہے۔ یہ نمبر موضوع اور مضامین کے تنوع کے اعتبار سے اس لائق ہے کہ اسے ہر حلقہ میں پہنچایا جائے۔ فاضل مضمون نگاروں نے نہایت محنت اور تحقیق سے اس کے مضامین تحریر فرمائے ہیں۔ اپنی گونا گوں خصوصیات کے لحاظ سے اور انکار حدیث کی رہہ کر اٹھتی لہروں سے نپٹنے کے لیے یہ علمی دستاویز اس قابل ہے کہ جماعت کے ذمہ دار حضرات، مساجد کے خطباء کرام، پڑھے لکھے تاجر و صنعتکار احباب سکولوں، کالجوں، سرکاری لائبریریوں، اساتذہ، پروفیسروں اور اصحاب علم و تحقیق تک اس کو پہنچائیں خصوصاً مدارس دینیہ کے منتہی طلباء کو یہ تحفہ پیش کریں تاکہ طلباء اس سے مستفید ہو کر فتنہ انکار حدیث کے ہر پہلو سے آشنا ہو کر خدام حدیث کی سنہری لڑی میں شامل ہو جائیں۔

حالیہ اشاعت الاعتصام کے موجودہ سائز پر طبع کی گئی ہے جو تین صد سے زائد صفحات پر مشتمل اور چہار رنگہ ٹائٹل سے مزین ہے۔ ہم نے اس میں اشتہارات دے کر قارئین کے علمی ذوق کو مجروح نہیں کیا۔ اس نمبر میں ہر فاضل مضمون نگار کا مختصر تعارف مضمون کے شروع میں دینے کی جدت بھی مولانا محمد اسحاق بھٹی رحمہ اللہ نے ایجاد کی تھی جن کو اب موجودہ حالات کے مطابق مکمل کر دیا گیا ہے۔

قیمت 360 روپے

○ کمپیوٹر کمپوزنگ ○ عمدہ سفید کاغذ ○ چہار رنگہ ٹائٹل سے مزین جلد

## شہیدانِ کربلا

صد آفریں بجان شہیدان کربلا  
 رحمت بخانوادہ سردار انبیاء  
 گشتند اہل بیت بہ بیچارگی شہید  
 از مکر اہل کوفہ کہ بوند بے وفا  
 ذاتے کہ بود مردمک دیدہ رسول  
 شخصے کہ بود جان و جگر بند مصطفیٰ  
 یعنی حسینؑ ابن علیؑ بے خطا و جرم  
 صد حیف شد شہید بہ میدان کربلا  
 تاریخ شاہد ست کہ در پردہ عناد  
 حب حسینؑ بود ہمہ از پئے دغا  
 بودند قاتلاں ز ”مجان“ اہل بیت  
 بدنام می کنند بہ عالم یزید را  
 مکر و فریب تا کجا ایں نوحہ تابہ کے  
 تا چند سینہ کوبی و تا چند ایں بکا  
 ہر سال نوحہ خوانی نباشد شعار دیں  
 ہر سال تعزیت نہ بود دین مصطفیٰ  
 ہر آنچہ می کنند بہ حب حسینؑ شوق  
 دانند اہل علم فریب است برملا

(شوقِ اعظمی)